اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۷
شمارہ ۹

ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
جون ۱۹۹۲ء

بیاد
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی
ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ -/۶۰ روپے فی پرچہ -/۶ روپے بیرون ملک بحری ڈاک -/۸ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک -/۱۲ پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقش آغاز — ماہنامہ الحق کا جہاد افغانستان انڈکس

ذیل میں سرخ سامراج کی مزاحمت اور جہاد افغانستان سے متعلق ماہنامہ الحق میں شائع ہونے والے ادارتی تحریروں، دارالعلوم کی پالیسیوں، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے ارشادات، فضلاء و مجاہدین سے مشاورت و ہدایات، افغان قائدین کی دارالعلوم آمد و ملاقات، حقانی شہداء کے سانحہ ہائے ارتحال و حالات، افغان زعماء کے انٹرویوز و خیالات، مولانا سمیع الحق کی ملک و بیرون ملک جہاد افغانستان کے بارے میں بھرپور مساعی اور واقعات، الحق میں شائع شدہ وقیع و مدلل مضامین اور مقالات، تبصروں اور تجزیوں کا تیرہ سالہ مستقل انڈکس پیش خدمت ہے جس میں مستقبل کا مورخ حقائق اور تاریخی سچائیاں اپنے اصل روپ میں نکھرے ہوئے موتیوں کی طرح چن سکتا ہے بریکٹ میں جلد نمبر کا حوالہ ہے باقی ذیل کے صفحات کا اندراج ہے۔ (عبدالقیوم حقانی)

مولانا عبدالقیوم حقانی

قافلہ جہاد کے عظیم رہنما، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ

○ دارالعلوم حقانیہ جہاد افغانستان کی فوجی چھاونی بن چکا تھا ——

○ مولانا عبدالحق کی رحلت پر افغان مجاہدین نے کہا "ہم یتیم ہو گئے" ——

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے امیر مرکزیہ کی ہدایت کے مطابق ذوالحجہ کے آخری دو عشروں کو جہاد افغانستان میں علماء حق بالخصوص شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اور ان کے تلامذہ کے کردار کے طور پر منایا گیا، چاروں صوبوں، ملک کے مختلف اضلاع اور جمعیۃ کی صوبائی اور ضلعی تنظیموں کے زیر اہتمام کانفرنسوں، جلسوں، تقریبات اور سیمینارز کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا، خطیبوں، ادیبوں، دانشوروں اور مقررین نے جہاد افغانستان میں علماء حق اور ان کے سرخیل شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کو زبردست خراج تحسین پیش کیا جہاد افغانستان میں مولانا عبدالحق کا کردار، تمام کرداروں پر مقدم، جامع اور حاوی رہا ہے وہی علماء حق کا مصداق وہی اس کے محرک اول، وہی مجاہدین کی روحانی پناہ گاہ اور عملی تربیت گاہ تھے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق تاریکی اور مایوسی میں ڈوبے ہوئے حالات میں ہمیں ایک چوراہے پر عزم وہمت، جرأت وشجاعت، تدبر، دانشمندی، اسلام سے محبت اور جذبۂ جہاد وعزیمت سے منور ایک شمع ہدایت لیے کھڑے نظر آتے ہیں۔

یہ تاریکی صرف پاکستان کے سیاسی اور دفاعی افق پر ہی نہیں تھی بلکہ آس پاس کے تمام علاقوں بلکہ اس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا —— پھر اہل اسلام کی آزادی اور اپنے اسلامی تشخص کے ساتھ زندہ رہنے کا حق اس تاریکی میں روپوش ہو گیا تھا۔ اس مقام پر پہنچ کر ہمیں ایک عظیم علمی ودینی رہنما، شیخ الہند کے مشن کے وارث ریشمی رومال کی تحریک کے مقاصد کے علمبردار، شہدائے بالاکوٹ کی کارگہ میں کام کرنے والے بطل جلیل شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نامی ایک ایسے پیشوا، ایک ایسے رہبر اور وارث علوم نبوت سے ملاقات ہو جاتی ہے جو دوراندیشی معاملہ فہمی، علمی تدبر، مغازی رسول سے واقفیت روح جہاد سے شناسا اور جرأت وشجاعت کی ان تمام صفات سے بہرہ ور ہے جو ایک قافلہ سالار کے لیے ناگزیر ہیں۔

حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ) کی دعوت اصلاح و تجدید اور تحریک جہاد میں بھی افغانیوں کا بڑا اہم کردار رہا ہے وہ اپنی سرگرمیوں اور جدوجہد کے مرکز تک افغانستان ہی کی راہ سے پہنچے تھے اہل افغانستان نے بے نظیر جوش و خروش کے ساتھ ان کا استقبال کیا تھا پوری قوم اور حکومت ان کی طرف جھک پڑی تھی اور حکمران خاندان سے بھی ان کے تعلقات رہے تھے کبھی مستحکم اور کبھی کمزور، جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

اگر اس فیصلہ کن اور تاریخی موقع پر افغانستان کے امراء نے وقت کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا ہوتا اور اس تحریک کی قدر کی ہوتی اور اس کے قائد کے اخلاص، اس کی دردمندی اور اثر انگیزی کو صحیح طور پر محسوس کیا ہوتا تو اس علاقہ میں مسلمانوں کی تاریخ آج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تابناک اور باعظمت ہوتی۔

دسمبر ۱۹۷۹ء کے اواخر میں جب کابل میں روس نے اپنی فوجیں اتار دیں تو پاکستان براہ راست روس کا ہم دیوار ہمسایہ بن گیا خاص کر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک طورخم کے راستے چند گام کے فاصلے پر تھا میزائل، بم تخریب کاری اور فساد کا اولین ہدف بن سکتا تھا۔ کسی چھوٹے ملک، چھوٹے ادارے اور کسی چھوٹی جماعت کے لیے بڑے کا ہمسایہ ہونا اور وہ بھی جب بڑا ہمسایہ بدنیت بھی ہو اور ظالم بھی، انتہائی وحشت ناک صورت حال سے دوچار ہونا ہوتا ہے پاکستان اور خاص کر سرحد کے قریبی اضلاع کے لوگوں کی جو اضطرابی کیفیت ہونی چاہیے تھی وہ عیاں ہے پھر جب سرحدات پر حملے ہونے لگے بم گرائے جانے لگے میزائل برسائے جانے لگے تخریب کاری کے واردات کثرت سے کئے جانے لگے ایسے واقعات میں تو حال ہی کچھ دوسرا تھا خاص کر جب دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء دشمن کے مقابلے میں پیش پیش تھے دارالعلوم جہاد افغانستان کی فوجی چھاؤنی بن چکا تھا کابل ریڈیو پر دارالعلوم حقانیہ اور اس کے فضلاء کے خلاف زہریلا اور مسموم پروپیگنڈہ کئے جانے لگا مگر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے انتہائی پامردی کے ساتھ اس ساری صورتِ حال کا مقابلہ کیا کوئی اظہار پریشانی نہ کیا رفتہ رفتہ عالم یہ ہو گیا کہ کابل کی کٹھ پتلی حکومت کے ذمہ داروں نے کے جی بی اور خاد کے حوالے سے براہ راست ان کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ افغان مجاہدین کی حمایت، ان کی تعلیم و تربیت، ان کی سیاسی و اخلاقی حمایت اور ان کے دارالعلوم میں قیام اور جہاد کے استحکام کی تحریک سے دست کش ہو جاؤ ورنہ سخت سزا دی جائے گی مگر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے پرکاہ کے برابر بھی پرواہ نہ کی جب دارالعلوم کو اڑا دیئے جانے کا ہوا کھڑا کر کے چند نام نہاد مخلصین نے روسی حکمت عملی اور پالیسی پر عمل کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث پر پریشر ڈالنے کی زمرم مساعی کی تو اس حالت میں دارالعلوم حقانیہ کے استاذ حدیث مولانا اسید اللہ مدظلہ نے خواب دیکھا کہ:

" روسی ٹینک اور فوجیں دارالعلوم حقانیہ پر حملہ آور ہیں اور مسجد کی جانب شمال میں طلبہ دورہ حدیث

کے کمرے ان کا ہدف ہیں وہ اس کو گرانا اور یہاں سے تباہی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں حضرت مولانا اسد اللہ صاحب خواب میں دشمن کے یہ ناپاک عزائم اور خطرناک صورت حال دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں اسی پریشانی اور اضطراب میں اچانک دارالعلوم کی مسجد کے صحن میں انہیں جناب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوجاتا ہے بے تابانہ انداز میں انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ یہاں کیسے تشریف لاتے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دیکھتے یہ منظر آپ کے سامنے ہے میں دارالعلوم کی حفاظت اور دفاع کرنے آیا ہوں"۔

(صحبتے با اہل حق صفحہ ۱۹۳)

پاکستان میں افغان مہاجرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور جب بھرپور ریلیے اس وقت آنے شروع ہوتے جب روس نے باقاعدہ اپنی فوجیں کابل میں اتاردیں اور شہروں سڑکوں، میدانوں، وادیوں، باغوں اور جنگلوں میں لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی تو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے بھی اس موقع پر بڑی جرأت کے ساتھ دارالعلوم کے فضلاء اور تلامذہ کو دشمن کے ساتھ برسرپیکار کر دیا جب ساتھ والا گھر شعلوں کی آماجگاہ ہو تو اپنا گھر بھی تپش محسوس کرتا ہے اور ہر لحظہ شعلوں کی زد میں ہوتا ہے پھر افغانستان تو وہ گھر تھا جو پرایا گھر بھی نہ تھا حضرت شیخ اور ان کے تلامذہ کس طرح آرام سے بیٹھ سکتے تھے چنانچہ حضرت شیخ الحدیث کے بس میں جس قدر بھی ممکن تھا کر ڈالا، فضلاء کو حوصلہ افزائی کے پیغام بھیجے اہل خیر اور مسلمانوں کو ان کی مالی مدد کرنے کی ترغیب دی شہید صدر ضیاء الحق کی اس مسئلہ میں سیاسی و اخلاقی حمایت کر کے ان کا حوصلہ بڑھایا۔

دارالعلوم حقانیہ کے جہاد میں جانے والے طلبہ کے لیے خصوصی تعلیم، خصوصی مراعات اور خصوصی معاملات کا اعلان کیا اور جب اکوڑہ خٹک کے بے آب وگیاہ جنگل میں بے یار ومددگار مہاجرین کو نیلی چھت تلے گرم اور تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر ڈال دیا گیا تو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے اپنے مہاجرین کے لیے دارالعلوم کے دروازے کھول دیئے، درسگاہیں دارالحدیث، دارالاقامے، ہاسٹل اور جامع مسجد غرض سب کچھ مہاجرین کے لیے وقف تھا مالی امداد اور ان کے لیے قیام اور ضروریات کی فراہمی کے لیے مولانا سمیع الحق کو خصوصی ہدایات کیں۔

دراصل شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اپنی خداداد بصیرت سے جانتے تھے کہ اگر روس کو افغانستان میں مستحکم کیفیت میسر آگئی تو پھر روس کے مقابلے میں پاکستان کا دفاع بھی ممکن نہیں رہے گا لہٰذا انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ پاکستان کی دفاع کی جنگ افغان مجاہدین کی بھرپور حمایت کرکے اور اپنے فضلاء کو میدان کارزار میں اتار کر افغانستان ہی میں لڑی جائے جہاں دارالعلوم کے فضلاء اور سینکڑوں مستفیدین ومتعلقین سمیت لاکھوں سرباز قدرتی معاون کے طور پر خود بخود میسر ہیں۔

اس موقع پر بھی بعض مفاد پرست روسی گماشتوں نے حضرت شیخ کے پائے استقامت میں لغزش ڈالنے کے لیے بار بار ان کی محفل میں آکر اس طرح کی باتیں کیں کہ مجاہدین کی حمایت اور افغان جہاد کا علم بلند کرنا حماقت ہے خود پاکستان جب لاؤ لشکر سمیت روس کے مقابلے میں اترے تو ایک روز بھی نہیں ٹھہر سکے گا یہ شتے مولوی اور یہ نادار طالب علم اور غیر تربیت یافتہ دینی جذبہ سے سرشار مجاہدین کیا تاب لاسکیں گے مگر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کا یقین تھا کہ اگر بظاہر روس سپر پاور ہے مگر ایک اور پاور بھی ہے جو مافوق قوت ہے جسے سپریم پاور کہتے ہیں وہ خدا کی ذات ہے لہٰذا اس کی ذات پر اعتماد کرکے اس کی قدرت کی کرشمہ سازیوں پر نظر ہونی چاہیئے۔

او بایں فکر تا با چہ کند　　　ع
ما بایں فکر تا خدا چہ کند

مگر آج جو ہوا جس طرح ہوا سب نے دیکھا اور سب دیکھ رہے ہیں۔ ؎

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کار ساز

یہ بھی تاریخ کا ریکارڈ ہے کہ کسی کمیونسٹ، قادیانی اور فقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والوں میں کوئی بھی ایک ایسا فرد نہ ملا جس نے روسی بربریت کی مذمت میں ایک حرف کہا ہو، خود حضرت شیخ الحدیث کے اپنے علاقے میں جن لوگوں اور جس سیاسی قوت سے واسطہ پڑ رہا ہے وہ تو ڈنکے کی چوٹ افغان مہاجرین کو بزدل بے ایمان اور بھگوڑے کہے جاتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی مجلس میں جب ان لوگوں کا تذکرہ ہوتا تو آپ اپنی افتاد طبع کے پیش نظر خاموش رہتے اور یہاں کی کسی قوت سے ٹکرانے اور جوابی کارروائی کرنے یا سیاسی بیان داغنے کے بجائے اپنے کام کرتے جانے کی تاکید فرماتے۔ جعفری فقہ کے ایک دوست سے جب اس قسم کی بات چلی تو مجھے کہنا پڑا۔ حضرت! اگر ایران کو امریکہ کے خلاف برد آزما ہونا پڑے تو وہ عملی جہاد کہلائے لیکن اگر افغان بے چارے اپنے وطن کے دفاع میں روسیوں سے ٹکرائیں تو یہ عمل ملایانہ بھی ہے، احمقانہ بھی ہے، بزدلانہ بھی اور ظلمت پرستانہ بھی۔ **فیاللعجب**

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق پاکستان کے روسی ایڈیشن افراد جو مجاہدین کو گالیاں دیتے پھبتیاں کستے ان کو پرواہ میں نہ لاتے اور ان لوگوں سے الجھے بغیر اپنے کام پر بھرپور توجہ مرکوز رکھتے تھے۔ بہادر اور دانا مرد بھی وہی ہوتا ہے جو جھاڑیوں سے دامن بچا کر جنگل عبور کرتا چلا جاتے۔

افغان مجاہدین کی جرأت و استقامت اور ولولہ انگیز جذبۂ جہاد، صدر ضیاء الحق شہید کی محکم سیاسی پالیسی اور قطعی موقف اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی دعاؤں، تلامذہ کی تربیت اور فضلاء کے عملی جہاد نے بالآخر کور باچوف کو اس پر

مجبور کردیا کہ وہ افغانستان سے روسی فوجیں نکال دے افغان مجاہدین گواہ ہیں اور یہی باعث ہے کہ جب شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے سانحہ ارتحال کی خبر مجاہدین کو محاذ جنگ پر پہنچی تو ان پر سکتہ طاری ہوگیا اور انہوں نے بے ساختہ کہا کہ ہماری دعاؤں کا مرکز، ہماری تربیت گاہ کا مربی و محسن ہمارا دینی رہنما اور شیخ رخصت ہوگیا اور آج ہم یتیم ہوگئے۔

قومی اور اجتماعی سطح پر ہماری ایک بدقسمتی یہ بھی ہے کہ ہم اپنا جوہر اور اپنا اکتساب بھی از راہ حماقت و تعصب، دوسروں کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں یہ شکوہ ہمیں ان لوگوں سے نہیں جن کی فرقہ وارانہ مجبوریاں ہیں جو عقائد و نظریات کے اعتبار سے سوشلسٹوں کمیونسٹوں کے قریب ہیں جو ہنود و یہود سمیت عالم مسیحیت و اشتراکیت کی دلداری کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ ہم تو ان لوگوں کا رونا روتے ہیں جو خود کو بزعم خود غیر اشتراکی، غیر ہند نواز، غیر یہود دوست اور غیر مسیحیت پسند اور سنی سیاسی قرار دیتے ہیں۔ جو خود کو دینی مذہبی لوگ قرار دیتے ہیں جو ملک میں اسلامی انقلاب کے خواہاں بھی ہیں اور اس کے لیے کوشاں بھی۔ مگر اس کے باوجود اپنے حزبی و جماعتی تعصب کے خولوں میں بند، خود نمائی ریاکاری اور سمع و شہرت اور پروپیگنڈے کی ڈگر پر رواں دواں ہیں۔ لاریب! ان لوگوں نے بھی افغان مہاجرین کی بے پناہ مدد کی، انہوں نے میدان جنگ میں جا کر مجاہدین کو ہر طرح کی اعانت بہم پہنچائی ہے اور ہمیں اس کا اعتراف ہے۔

مگر یہ کہاں کی ایمانداری ہے کہ خود نمائی اور پروپیگنڈے کی یلغار میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق، ان کے تلامذہ اور فضلاء۔ اور ان کے قائم فرمودہ مرکز علم دارالعلوم حقانیہ کی تمام جدوجہد، تاریخ ساز مساعی اور انقلاب آفرین کارناموں کو آنکھوں سے اوجھل کرنے کی سعی بلیغ بھی اس طرح کی جائے گویا یہ بھی دین کا ایک حصہ اور جہاد کا ایک شعبہ ہے مسلسل اور بار بار جہاد افغانستان پر مذاکرے عمل میں آئیں مگر مقررین اسی مسکت انداز سے گفتگو کریں کہ شیخ الحدیثؒ اور ان کے فضلاء کا نام تک زبان پر نہ آنے پاتے اور سارا کریڈٹ چند مذہبی سیاست کھیلنے والوں کی جیب میں چلا جاتے۔ یہ نہایت بے انصافی اور شرمندگی کی بات ہے یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔ جماعت، گروہ بندی، طریقہ کار کے اختلاف کی بات اپنی جگہ، مگر جب مقصد ایک اور کردار مسلم ہے تو ایک مربی جہاد، ایک مسلم کردار اور ان کی قربانی و محنت کو دیدہ دانستہ یوں برباد کرنا تاکہ صرف اپنے حلقے، اپنی جماعت یا اپنے گروہ اور اپنی پارٹی کی تاریخ روشن کلمات کے ساتھ قلمبند کی جائے خدا کے حضور میں انتہائی ناپسندیدگی کا موجب ہے۔ ع

جفا کم کن کہ فردا روزِ محشر
بروئے عاشقاں شرمندہ باشی

بہرحال جمعیۃ علماء اسلام نے جو ذی الحجہ کے آخری دو عشروں کو "جہاد افغانستان میں علماء حق کے کردار" کے طور پر منایا اور پورے ملک میں اسے عملی طور پر اپنانے کا اقدام کیا ہر لحاظ سے مستحسن قابل صد تبریک اور قائدین جمعیۃ کی حقیقت پسندی اور علمی و دینی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے ہم اس پر انہیں بھی ہدیہ تبریک اور خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

قرآن مجید کے ساتھ عشق و شغف کی داستانیں

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب

عنوان بالا کے تحت صحابہ و تابعین' ائمہ اسلام' علماء راسخین اور بلند پایہ مشائخ اور اہل قلوب کے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں' جن سے ان کے قرآن مجید کے ساتھ عشق و شغف اس کے آداب و عظمت اس کی تلاوت میں ان کی محویت و استغراق اور اس لذت و کیفیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ کی ابتداء خود اس ذات قدسی سے کی جاتی ہے جس پر قرآن پاک کا نزول ہوا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روات ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے کہا' آپ ہی پر نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں؟ فرمایا کہ ہاں! میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں۔ میں نے سورہ نساء پڑھنی شروع کی جب اس آیت پر پہنچا۔

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنابک علی ھئولاء شھیدا

ترجمہ: سو اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے۔ اور لوگوں پر آپ کو بطور گواہ پیش کریں گے۔

میں نے سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ مائدہ آیت:۔

ان تعذبھم فانھم عبادک و ان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم۔ (المائدہ ع۔ 15)

ترجمہ: تو اگر انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں بخش دے تو بھی تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔

پر پوری رات گزر گئی اور صبح ہو گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے رقیق القلب تھے' قرآن پڑھتے وقت آنکھوں میں قابو نہ رکھ سکتے تھے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

ابو رافع کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عمر کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہا تھا میں مردوں کی اس آخری صف میں تھا جس کے بعد عورتوں ہی کی صف ہوتی ہے۔ آپ سورہ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے۔

انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ۔ (سورہ یوسف ع 10)

ترجمہ: یعقوب نے کہا میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اپنے اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔"

حضرت عمر بلند آواز سے قرآن شریف پڑھتے تھے ' آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ مجھے ان کی ہچکیوں کی آواز دور سے سنائی دی ۔

ابن عمر کی بھی روایت ہے کہ حضرت عمر پر صبح کی نماز میں ایک مرتبہ ایسا گریہ طاری ہوا کہ میں نے ان کی ہچکی کی آواز تین صفوں کے پیچھے سنی ۔

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت عمر اپنے رات کے ورد میں کبھی کبھی کوئی آیت پڑھتے تو اتنا روتے کہ گر جاتے اور آپ کو گھر میں اتنا ٹھہرنا پڑتا کہ لوگ عیادت کے لئے آتے ۔

محمد ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمان پوری رات ایک رکعت میں گذار دیتے تھے ۔ جس میں پورا قرآن شریف پڑھ لیتے تھے ۔

امام احمد اور ابن عساکر کی روایت ہے کہ حضرت عثمان کہتے تھے کہ تمہارے دل پاک ہو جائیں تو تم کو کبھی کلام اللہ سے سیری نہ ہو' میں نہیں چاہتا کہ میری عمر میں کوئی دن ایسا گزرے جس میں مجھے قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آئی حضرت عثمان کی شہادت ہوئی تو جس مصحف میں وہ پڑھا کرتے تھے، وہ ان کی کثرت تلاوت سے جا بجا سے شکستہ ہو گیا تھا ۔

ابن عمیر کہتے ہیں کہ مجھے سورہ یوسف حضرت عثمان کے پیچھے پڑھنے سے یاد ہو گئی کیونکہ وہ کثرت سے فجر کی نماز میں سورہ یوسف پڑھتے تھے ۔

حضرت علی مرتضیٰ کو وفات نبوی کے بعد قرآن شریف کے حفظ میں اتنا انہماک ہوا کہ کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ' عبداللہ بن عمر' عبداللہ ابن رواحہ' عبداللہ ابن عباس' عبدالرحمن بن عوف جیسے صحابہ کبار متعدد تابعین عظام سعید بن جبیر' مالک بن انس منصور ابن المعتمر کے متعلق رقت خشوع اور گریہ و بکا کی ایسی ہی روایات حدیث و تاریخ کی کتاب میں آئی ہیں ۔

زرارہ ابن عوفی کے متعلق تو یہاں تک بیان کیا گیا کہ وہ جامع مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے' سورہ مدثر کی یہ آیت جب انہوں نے پڑھی۔

فاذا نقر فی الناقور فذالک یومئذ یوم عسیر - علی الکافرین غیر یسیر (المدثر ع 1)

ترجمہ : پھر جس دن صور پھونکا جائے گا ۔ سو وہ دن کافروں پر ایک سخت ہو گا نہ کہ آسان۔"

تو ان کی روح پرواز کر گئی اور وہ گر گئے ۔ بہز ابن حکیم کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جو ان کی نعش اٹھا کر گھر لائے ۔

خلیلہ نماز پڑھ رہے تھے جب انہوں نے آیت پڑھی تو اس کو بار بار دہراتے رہے ۔ کسی نے گھر کے ایک گوشہ سے آواز دی ' کہاں تک اس آیت کو دہراتے رہو گے' نہ معلوم کتنوں کے جگر شق ہو گئے۔

ایک صاحب نے آیت پڑھی -

ثم ردّوا الی اللہ مولٰھم الحق (الانعام ع - 8)

ترجمہ: پھر وہ (سب) واپس لائے جائیں گے - اپنے مالک حقیقی کے پاس -"

حمزہ حضرت اسماء (بنت ابوبکر صدیق) کے خادم کہتے ہیں کہ حضرت اسماء نے مجھے بازار بھیجا' اس وقت وہ سورہ طور کی تلاوت کر رہی تھیں اور آیت **ووقنا عذاب السموم** تک پہنچی تھیں - میں بازار گیا بھی اور واپس بھی آگیا اور وہ ابھی تک یہی آیت پڑھ رہی تھیں -

حضرت تمیم داری مقام ابراہیم پر آئے - اور سورہ جاثیہ پڑھنی شروع کی -

حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین اٰمنو و عملوالصلحٰت سواء محیاھم و مماتھم ساء ما یحکمون (الجاثیہ ع - 2)

ترجمہ : کیا جو لوگ برے کام کر رہے ہیں اس خیال میں ہیں کہ انہیں ان جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کی زندگی اور ان کی موت یکساں ہی رکھیں سو کیسا برا حکم یہ لوگ لگاتے ہیں -" تو اس کو برابر دہراتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی -

حضرت سعید بن جبیر رمضان میں امامت کر رہے تھے جب وہ آیت -

فسوف یعلمون اذا الاغلٰل فی اعناقھم والسلاسل - یسحبون فی الحمیم - ثم فی النار یسجرون - (المومن ع 8)

ترجمہ : جب کہ ان کی گردنوں میں ' ـ زنجیریں ہوں گی ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لے جایا جائے - پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے -" پر آئے تو بار بار اس کو دہراتے رہے -

ایک رات تہجد میں یہ آیت پڑھی' **واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ (البقرہ ع - 33)**

ترجمہ : اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم (سب) اللہ کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے -"

تو اس کو کچھ اور بیس مرتبہ دہرایا وہ رات کو اتنا روئے تھے کہ ان کی آنکھوں پر اثر پڑ گیا -

حضرت مسروق (تلمیذ حضرت ابن عباس) بعض دن عشاء سے لے کر فجر تک سورہ رعد ہی پڑھتے رہے -

ہارون ابن ایاب اسدی کبھی تہجد میں پوری آیت -

یلیتنا نرد ولا نکذب بایات ربنا و نکون من المومنین (الانعام ع - 3)

ترجمہ : کہیں گے کہ کاش ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں -"

پڑھنے میں گذار دیتے اور روتے رہتے -

حضرت حسن بصری نے ایک پوری رات **ان تعدو انعمہ اللہ لا تحصوھا** کی تکرار اور ورد میں

گذاری اور صبح ہو گئی ۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا اس میں بڑی عبرت اور موعظت ہے ہم جب بھی نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو کسی نہ کسی اللہ کی نعمت کا نزول ہوتا ہے اور جو ہم نہیں جانتے اس کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے ۔

امام ابوحنیفہ نے ایک مرتبہ تہجد میں یہ آیت پڑھی ۔

بل الساعته موعدهم والساعته اوهی و امر - (القمر - ع 3)

ترجمہ : لیکن ان کا اصل وعدہ تو قیامت کے (دن) کا ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے ۔

وہ برابر اسی آیت کو دہراتے رہے اور حتی کہ صبح ہو گئی ۔

یہ سلسلہ ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک منتقل ہوتا رہا ۔ اور امت کا کلام الہی سے عشق و شغف تسلسل کے ساتھ اور قرآن مجید کا فیض اور اس کی تاثیر بغیر کسی انقطاع اور وقفہ کے جاری رہی' تاریخ و سیر کی کتابوں نے ہر دور کے علماء راسخین ' معلمین و مصلحین اور محققین و عارفین کے قرآن مجید کے ساتھ عشق و شغف ' اس کی تلاوت میں محویت و استغراق اور اس میں ان کی حلاوت و لذت کے واقعات محفوظ کر دیئے ہیں ۔ یہاں پر چند اکابر امت کے واقعات نقل کئے جاتے ہیں ۔

مشہور مصنف اور محدث' مورخ و ناقد علامہ ابن جوزی ہر ہفتہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے ۔

سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کو قرآن مجید سننے کا بڑا شوق تھا ۔ کبھی کبھی اپنے برج میں پہرہ داروں سے دو دو' تین تین' چار چار پارے سن لیتے تھے بڑے خاشع و خاضع اور رقیق القلب انسان تھے ۔ قرآن مجید سن کر اکثر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ 7 شعبان 726ھ کو نظر بند کئے گئے جہاں انہوں نے 22 ذی القعدہ 728ھ کو سفر آخرت اختیار کیا ۔ اس فرصت میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ ورد تلاوت قرآن تھا' وہ جیل میں تقریبا دو سال چار ماہ رہے اس مختصر مدت میں انہوں نے اپنے بھائی شیخ زین الدین ابن تیمیہ کے ساتھ قرآن مجید کے اسی دور ختم کرنے کے بعد جب نیا دور شروع کیا تو سورہ قمر کی اس آیت پر پہنچے ۔

ان المتقین فی جنت و نهر فی مقعد صدق عند ملیق مقتدر

ترجمہ جو پرہیزگار ہیں ان باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں گے ایک اعلی مقام میں قدرت والے بادشاہ کے نزدیک ۔

تو بجائے اپنے بھائی زین الدین کے عبداللہ ابن محب اور عبداللہ الزرعی کے ساتھ دور شروع کیا یہ دونوں نہایت صالح شخص تھے اور آپس میں حقیقی بھائی تھے ۔ امام ابن تیمیہ کو ان کی قرات بہت پسند تھی ۔ وہ دور ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ زندگی کے دن پورے ہو گئے ۔

ان اکابر اسلام کے سوا جن کی زبان عربی تھی اور جن کا رات دن کا وظیفہ عوام اسلامیہ کی خدمت

اور ان کے بحر کی غواصی تھی - عجمی نژاد مشائخ و صلحائے امت کا بھی شغف بالقرآن ' ذوق تلاوت حفظ کا اہتمام اور قرآن مجید میں محویت و استغراق کے واقعات کچھ کم شوق انگیز سبق آموز اور عبرت خیز نہیں' صد ہا واقعات میں سے یہاں چند نقل کئے جاتے ہیں - یہ واقعات متقدمین مشائخ تک محدود نہیں' اس کا سلسلہ معاصرین تک جاری ہے۔

آٹھویں صدی کے مشہور بزرگ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء (متوفی 725ھ) کو قرآن مجید کا خصوصی ذوق تھا اس کے حفظ کے اہتمام و تلاوت کی کثرت کی تاکید فرماتے تھے - امیر حسن علاء سنجری جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوئے تو وہ بوڑھے تھے اور شعر و شاعری زندگی بھر کا مشغلہ تھی - حضرت خواجہ نے ان کو ہدایت کی قرآنی ذوق کو شعر و شاعری کے ذوق پر غالب کریں امیر فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ "بارہا ان مخدوم کی زبان مبارک سے میں نے یہ لفظ سنے ہیں کہ چاہیے قرآن مجید کا پڑھنا شعر کہنے پر غالب آ جائے -

خواجہ محمد (ابن مولانا بدرالدین اسحق) بڑے اچھے حافظ خوش الحان تھے - ان کو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا -ان کی قرات سے آپ بڑے محظوظ ہوتے اور آپ کو ان کی قرات سن کر بڑی رقت اور ذوق آتا -

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحیی منیری (متوفی ۷۸۲ھ) کو بھی قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے سننے کا خاص ذوق تھا - ان کے تربیت یافتہ شیخ زید بدر عربی ان کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں -

ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور آ کر بیٹھ گئے آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی آپ نے فرمایا - پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہیں' حاضرین نے عرض کیا کہ ابھی بہت چھوٹا ہے ' سید ظہیرالدین مفتی کا لڑکا بھی حاضر تھا - میاں بلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو کلام ربانی سننے کا ذوق ہے تو انہوں نے اس لڑکے کو بلایا اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی - سید ظہیرالدین نے جب یہ محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سننے کا تقاضا ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو' لڑکا سامنے آیا - اور مودب بیٹھ گیا - اس نے سورہ فتح کے آخری رکوع کی آیتیں محمد رسول اللہ والذین معہ سے پڑھنی شروع کیں ' حضرت مخدوم تکیہ کے سہارے آرام فرما رہے تھے ' اٹھ بیٹھے اور معمول قدیم کے مطابق با ادب دوزانو بیٹھ گئے - اور بڑی توجہ سے قرآن سننے لگے -

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م 1034ھ) کے حالات میں آتا ہے کہ تلاوت کے وقت چہرہ مبارک اور پڑھنے کے انداز سے سامعین کو ایسا محسوس ہوتا کہ اسرار قرآنی و برکات آیات کا فیضان ہو رہا ہے نماز اور بیرون نماز میں خوف کی آیات پڑھتے یا جن آیات میں تعجب و استفہام آتا ہے اس کا اندازہ و لہجہ پیدا ہو جاتا' رمضان میں تین سے کم ختم نہ کرتے خود حافظ قرآن تھے - اس لئے

غیرہ رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے اور مختلف حلقوں میں بھی سنتے رہے ۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی (متوفی 1313ھ) ایک روز تلاوت قرآن کر رہے تھے کہ آپ پر کیفیت طاری ہوئی' مولوی سید تجمل حسین صاحب سے فرمایا کہ "جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے اگر تم کو وہ لذت ذرہ بھر آ جائے تو ہماری طرح نہ بیٹھ سکو' کپڑے پھاڑ کر جنگل کو نکل جاؤ۔" آپ نے آہ کی اور حجرہ میں تشریف لے گئے اور کئی روز تک بیمار رہے ۔

مولانا سید محمد علی نے فرمایا کہ میں نے ابتداء میں حضرت سے عرض کیا کہ مجھ کو جو مزہ شعر میں آتا ہے' قرآن مجید میں نہیں آتا ' آپ نے فرمایا کہ ابھی بعد ہے قرب میں جو مزہ قرآن شریف میں ہے کسی میں نہیں ۔

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا کہ "قرآن شریف اور حدیث پڑھا کر کہ اللہ میاں دل پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔" ایک روز آپ نے فرمایا کہ نسبت قرآن کی غایت سلوک ہے ۔

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک بار مولانا محمد علی صاحب وغیرہ کا مجمع تھا' قرآن شریف کا ترجمہ ہوا' رکوع یہ تھا ۔

"**واذکر فی الکتب ابراھیم انہ کان صدیقا نبیا** (مریم ع - 3)

ترجمہ : اور آپ (اس) کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے ۔ وہ بڑے راستی والے نبی تھے۔"

اس کا ترجمہ فرمایا ۔ بعد اس کے وہ آیت پڑھی گئی جو حضرت اسمٰعیل کے بیان میں ہے ۔

"**کان عند ربہ مرضیا** (مریم ع - 14)

ترجمہ : وہ اپنے رب کے پاس پسندیدہ تھے۔"

ترجمہ فرمایا تھا اپنے رب کا پیارا یہ فرما کر چیخ ماری اور آپ پر گویا کیفیت مدہوشی کی طاری رہی اس واقعہ کے بعد دو مہینے سخت علیل رہے ۔

ایک مرتبہ جب اس آیت کا ترجمہ پیش آیا ۔

"**انت قلت للناس اتخذونی و امی الھین من دون اللہ** (مائدہ ع 33)

ترجمہ : اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہہ دیا ہے خدا کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنا لو ۔"

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ کیا تم نے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ ہم کو اور ہماری والدہ کو خدا سمجھیں اور خدا کو خدا نہ سمجھیں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گھبرا کر یہ فرمانا پھر **انک انت العزیز الحکیم** یعنی غفور الرحیم کا موقع تھا مگر العزیز الحکیم فرمایا ۔ اس وقت واقعہ قیامت گویا سامنے ہو گیا اور کیفیت مصیبت قیامت کی سب پر طاری ہو گئی ۔ مجھ کو خیال آتا ہے کہ حضرت نے اس آیت **و ان منکم الا واردھا** پر چیخ ماری کہ سب کو پل صراط سے ایک روز اترنا ہو گا ۔ غرض ہر ایک بیان یہاں مجلس میں ہوتا تھا پہلے آپ پر کیفیت آتی تھی اس کے بعد بہ طور عکس موافق استعداد ہر شخص پر طاری ہوتی تھی ۔

حضرت مولانا محمد طاسین صاحب
مجلس علمی کراچی

اُدھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت

محترم قاضی صاحب کے جوابی مضمون سے متعلق چند گزارشات

اس موضوع پر حضرت مولانا محمد طاسین صاحب مدظلہ کے مقالہ شائع شدہ الحق کے جواب میں حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی مدظلہ اور حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب حقانی مدظلہ کی تحریریں الحق کے گذشتہ شماروں میں شائع ہوچکی ہیں حضرت مولانا محمد طاسین صاحب نے حضرت قاضی صاحب کے جواب میں جو تحریر ارسال فرمائی ہے ذیل میں اسے شائع کیا جارہا ہے اس سلسلہ میں ان کے دو خطوط بھی موصول ہوئے ہیں دونوں خطوط موضوع سے متعلق ہیں اس لیے وہ بھی نذر قارئین ہیں۔

(ادارہ)

مکتوب اوّل! بعید ممنون ہوں کہ آپ نے ایک اختلافی مسئلہ سے متعلق میرا مضمون موقر ماہنامہ الحق میں شائع فرمایا، دوسری قسط کے شروع میں ادارتی شذرہ سے معلوم ہوا کہ اس کے جواب میں بعض حضرات کے مضامین آرہے ہیں اچھا ہے آئیں اور شائع ہوں اور حقیقت حال کھل اور نکھر کر سامنے آجائے، دین کا معاملہ ہے دینی دلائل کی روشنی میں اس پر بحث و تمحیص کا سب کو حق ہے، اگر دلائل سے میرا لکھا ہوا غلط ثابت ہوجائے تو فوراً رجوع کرلوں گا اور الحق ہی میں اپنی غلطی کا اعلان کردونگا، میرے لیے یہ کوئی ذاتی وقار کا مسئلہ نہیں ہوگا مجھے صرف حق کی اتباع مقصود ہے، بہرحال شخصیات سے نہیں بلکہ صرف اور صرف دلائل سے ہی میں متاثر ہوسکتا ہوں۔ (۳ مارچ ۱۹۹۲ء)

مکتوب ثانی! حضرت مفتی صاحب کے جوابی مضمون کی دوسری قسط بھی پڑھنے کا موقع ملا موصوف نیک اور مخلص عالم دین ہیں درس و تدریس اور روایتی فتویٰ نویسی سے ان کا شغف رہا ہے ان کا مضمون اسی کا عکاس ہے۔ اختلافی مسائل میں بحث و تمحیص کا ایک خاص اسلوب ہے جو اپنی رائے کی تائید اور دوسرے کی رائے کی تردید میں عام طور پر درس حدیث تک میں اختیار کیا جاتا ہے احتمالات کے ذریعے مسلمہ ائمہ مجتہدین کے اقوال کو کنڈم اور رد کردیا جاتا ہے میں خود بھی ایک عرصہ تک یہی انداز بحث اپناتے رہا جب جامعہ اسلامیہ امروہہ میں جامع الترمذی اور بیضاوی وغیرہ کتابیں پڑھاتا تھا یہ انداز اس وقت بدلا جب حضرت شاہ ولی اللہ، ابن تیمیہ، ابن القیم، امام الشعرانی وغیرہ منصف مزاج

ادھار چیز

محقق علماء کرام کی کتابوں کو پڑھنے کا موقع ملا۔

مختصر یہ کہ میں محترم مفتی صاحب کے جواب میں مناظرانہ انداز سے کچھ لکھنے کو تضیع اوقات سمجھتا ہوں قارئین الحق میں جو اعلیٰ اور ممتاز بصیرت اور فہم و فراست کے مالک ہیں وہ خود فیصلہ کرلیں گے کہ مسئلہ زیر بحث میں صحیح موقف کس کا ہے، علاوہ ازیں محترم قاضی عبدالکریم کے مضمون سے متعلق میرا جو مضمون موقر ماہنامہ الحق میں شائع ہونے والا ہے اس کو غور سے پڑھا جاتے تو اس میں مفتی صاحب کی بہت سی ایسی باتوں کا جواب موجود ہے جو اصل مسئلہ سے متعلق ہیں غیر متعلق باتوں سے ہمیں کچھ بحث نہیں، بہرحال یہ ضرور عرض کروں گا کہ مفتی صاحب نے ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے خریدنے کے جواز سے متعلق جو بزعم خود منطقی دلائل تحریر فرماتے ہیں سود کو جائز کہنے والے ان سے خوب فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ جو فریق دوسرے کو سود پر قرض دیتا ہے کہ وہ دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے اور اس کے لیے کاروبار وغیرہ کا موقع مہیا کرتا ہے لہٰذا اس کے عوض قرض کی اصل رقم پر کچھ زائد لینا ازروئے عقل و منطق اس کے لیے جائز ہوتا ہے گویا مفتی صاحب کے دلائل میں تجارتی نوعیت کے قرضوں پر جواز سود کا فتویٰ مستور و مضمر ہے۔

عہد حاضر میں مروجہ معاشی مسائل پر لکھنا اور ان کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر سامنے لانا، ان اہل علم حضرات کے بس کا نہیں جنھوں نے نہ علم المعاشیات اور جدید معاشی نظاموں کا بغور مطالعہ کیا ہے بدقسمتی سے وہ مسئلہ کی حقیقت اور اس کے دور رس معروضی نتائج کا صحیح علم و فہم ہی نہیں رکھتے اس کا صحیح جواب تو درکنار۔

بہرحال میں آئندہ کسی سے اس مسئلہ کے متعلق بحث و تمحیص میں الجھنا نہیں چاہتا جو حضرات اس کے جواز کے فتوے دے چکے ہیں وہ ظاہر ہے کہ اپنے فتوے کی تائید و تصویب میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے اور بے جان منطقی دلائل سے کام فرمائیں گے لہٰذا ان سے بحث و مباحثے کا کچھ فائدہ نہیں نکل سکتا تو پھر اس بحث میں کیوں وقت ضائع کیا جائے۔

میرا یہ جو موقف ہے کہ میں اسلام کے حوالے سے صرف اس قول و رائے کو اسلامی مانتا ہوں جس کا اجمالی یا تفصیلی ثبوت کتاب و سنت میں موجود ہو ورنہ نہیں، اس کی تائید میں میں علماء و محققین کی کتابوں سے بکثرت عبارات پیش کرسکتا ہوں عالم کے لیے کسی کی اندھی تقلید جائز نہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "عقد الجید" کا مطالعہ اس کے لیے بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے، اسی طرح النافع الکبیر لمن یطالع جامع الکبیر علامہ عبدالحی لکھنوی کی کتاب ایک حنفی مفتی کو ضرور پڑھنی چاہیے۔

نہ چاہنے کے، باوجود بات طویل ہوگئی اللہ کرے باعث ملال نہ ہو! دعوات صالحہ کا ہر حال میں محتاج ہوں امید فراموش نہ فرمائیں گے۔

(۱۷ جون ۱۹۹۲ء)

والسلام

احقر محمد طاسین عفی عنہ

بڑی خوشی کی بات ہے کہ محترم المقام حضرت قاضی عبد الکریم صاحب کلاچوی مدظلہم نے میرے مضمون کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے دیگر اہل علم حضرات بھی اس پر لکھیں، تاکہ اصل حقیقت حال نکھر کر سامنے آئے۔ البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ خوب اچھی طرح تیاری کرکے سنجیدہ انداز سے اور مضبوط دلائل کے ساتھ تحقیق حق کے مقصد سے لکھا جائے، کیونکہ یہ مسئلہ حقوق العباد سے متعلق اور حلال وحرام کا مسئلہ ہے، لہٰذا اس میں پوری احتیاط ہونی چاہیے۔

حضرت قاضی صاحب موصوف کے جوابی مضمون کو بغور پڑھنے کے بعد ایک تو محسوس ہوا کہ انہوں نے اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش نہیں فرمائی جس پر میں نے اپنے مضمون میں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے جواب میں امام محمد الشیبانی کی "کتاب الاصل" اور علامہ السرخسی کی "المبسوط" سے جو عبارات پیش فرمائی ہیں وہ ایک دوسرے معاملہ سے متعلق ہیں، میرے زیر بحث معاملہ سے متعلق نہیں۔ ان عبارات میں جس معاملے کا ذکر ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک بائع مشتری سے کہتا ہے کہ اگر ابھی نقدا دا کرو تو میری اس چیز کے ثمن اتنے اور اگر سال کے ادھار پر لو تو اس کے ثمن اتنے ہوں گے، اس معاملہ کے فاسد و ناجائز ہونے کی وجہ مذکورہ عبارات میں یہ بتلائی گئی ہے کہ اس میں ثمن کی جہالت کے ساتھ دو شرطیں موجود ہیں، جن کی ایک حدیث نبوی میں واضح ممانعت ہے۔ لیکن اس کے بعد "المبسوط" میں یہ بھی لکھا ہے کہ فریقین جدا ہونے سے پہلے اسی مجلس میں ایک شکل پر متفق ہو جائیں تو معاملہ جائز ہو جاتا ہے ـــــ جبکہ میرے زیر بحث معاملہ کی صورت یہ ہے کہ بائع یہ جانتے ہوئے کہ مشتری میری چیز کو نقد سے نہیں خرید سکتا بلکہ صرف ادھار ہی سے خرید سکتا اور خریدنا چاہتا ہے لہٰذا وہ معاملہ کرتے وقت نقد کا نام ہی نہیں لیتا اور صرف ادھار کی بات کرتا اور کہتا ہے کہ میری یہ چیز جس کی بازار میں مثلاً ایک ہزار روپے قیمت مقرر ہے اور نقد کی صورت میں ایک ہزار روپے میں عام طور پر لی دی جاتی ہے ایک سال کے ادھار پر ڈیڑھ ہزار روپے میں دے سکتا ہوں، ظاہر ہے کہ معاملہ کی اس صورت میں نہ ثمن میں تردد اور جہالت ہے اور نہ اس کے اندر دو شرطیں پائی جاتی ہیں، لہٰذا یہ معاملہ اس معاملے سے مختلف ہے جس کا "کتاب الاصل" اور "المبسوط" کی عبارات میں ذکر ہے، لہٰذا اس کے جواز و عدم جواز کا اس معاملے کے جواز و عدم جواز سے کوئی تعلق نہیں گویا ان عبارات کو بلاضرورت نقل کیا گیا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں یہاں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بیچی/خریدی جانے والی چیزیں دراصل دو طرح کی ہوتی ہیں ایک وہ جن کی بازار میں قیمت مقرر ہوتی ہے اور مقررہ نرخ پر ان کی خرید و فروخت کی جاتی ہے اور دوسری وہ جن کی نہ بازار میں قیمت مقرر ہوتی اور نہ عام طور پر ان کی بیع و شراء ہوتی ہے۔ پہلی قسم کی چیزوں کو ان کا مالک نقد کی صورت میں ہر اس ثمن کے عوض بیچ سکتا ہے جس پر وہ اور خریدار رضامند ہو جائیں۔ اس طرح کا ثمن بازار کی مقررہ قیمت کے برابر بھی ہو سکتا ہے اور اس سے کچھ کم یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً بازار کے نرخ کے مطابق اس چیز کی

قیمت سو روپے ہے تو نقد خرید و فروخت میں وہ پورے سو روپے میں بھی لی دی جاسکتی ہے اور سو روپے سے کچھ کم اور زیادہ میں بھی لی دی جاسکتی ہے۔ اگرچہ زیادہ میں اس کا لین دین بہت ہی کم کہیں ہوتا ہے اور عام طور پر نقد سے خریدنے والا اس قیمت سے زائد نہیں دیتا جو بازار میں رائج ہوتی ہے۔ ادھار کی صورت میں ایسی چیزوں کو بازار کی مقررہ قیمت سے زائد ثمن میں لینا دینا اس وجہ سے ناجائز قرار پاتا ہے کہ اس میں اصل قیمت پر جو زائد ہوتا ہے وہ اجل اور مدتِ قرض کے عوض ہوتا ہے لہٰذا وہ ربوالنسیہ کے تحت آتا ہے جو حرام ہے۔

دوسری قسم کی چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کی بازاری نرخ کے مطابق قیمت مقرر نہیں ہوتی اور نہ عام طور پر بازاروں میں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ ایسی چیزیں نقد کی صورت میں بھی اور ادھار کی صورت میں بھی فریقین جس ثمن پر چاہیں خرید و فروخت کر سکتے ہیں، ایسی چیزوں کی چونکہ بازاری نرخ سے کوئی قیمت مقرر نہیں ہوتی لہٰذا ان کے کسی ثمن کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ان کی اصل قیمت سے زیادہ ہے، کیونکہ زیادہ کا تصور اس وقت ہوتا ہے جب اصل قیمت متعین ہو جو یہاں متعین نہیں ہوتی۔ بنابریں ایسی چیزوں کے ادھار کے ثمن کو اصل قیمت، اور نقد کے ثمن کو اصل قیمت سے کم رعایتی قیمت قرار دیا جاسکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ادھار کی صورت میں، نقد کی صورت کی نسبت ثمن میں جو زیادتی ہوتی ہے اس کو اجل یعنی مدت ادھار کا عوض نہیں کہا جاسکتا، لہٰذا یہ معاملہ ربوالنسیہ کے مشابہ اور حرام نہیں ہوتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر مذکورہ دو قسم کی چیزوں کی مثال سے وضاحت کر دی جائے تو حقیقت حال اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گی۔ پہلی قسم کی چیزوں کی مثال وہ مختلف قسم کی مشینیں، موٹر سائیکل، موٹر کار، ٹرک نیز وہ تمام اشیاء جن کے بازاروں میں نرخ مقرر ہوتے اور ناپ تول گنتی وغیرہ کے ذریعے ان کی خرید و فروخت کی جاتی ہے۔ نقد کی صورت میں ایسی چیزوں کی خرید و فروخت ہر اس ثمن پر جائز ہوتی ہے جس پر فریقین یعنی بائع اور مشتری کا اتفاق ہو جائے اور ان کی رضا مندی موجود ہو، خواہ وہ اصل بازاری قیمت کے برابر ہو یا اس سے کم اور کچھ زیادہ ہو۔ لیکن ادھار کی صورت میں ایسی چیزوں کی خرید و فروخت اس ثمن پر تو جائز ہوتی ہے جو بازاری قیمت کے برابر ہو لیکن اس ثمن پر جائز نہیں ہوتی جو بازاری قیمت سے جائز ہو، مثلاً ایک مشین یا گاڑی جس کی قیمت کمپنی کی طرف سے مثلاً ایک لاکھ روپے مقرر ہوتی اور اس قیمت پر وہ بازار میں فروخت ہوتی ہے ایک مالدار شخص اس کو ایک لاکھ میں خرید کر دوسرے شخص پر ایک سال کے ادھار سے ڈیڑھ لاکھ میں فروخت کرتا ہے اور طے کرتا ہے کہ ادائیگی ایک سال کے اندر قسطوں میں ہوتی رہے گی یا سال پورا ہونے پر یکمشت ہوگی تو یہ معاملہ ربوٰ سے مشابہ ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار پاتا ہے۔ میں نے اپنے مضمون میں ادھار کی جس شکل کو ناجائز بتلایا ہے وہ صرف یہی شکل ہے جس نے آج ایک باقاعدہ کاروبار کی صورت اختیار کر لی ہے اور غلط فہمی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام میں یہ جائز اور حلال ہے۔ میں نے

قرآن و حدیث کے جن دلائل کی بنا پر اس کو ناجائز لکھا ہے وہ میرے مضمون میں واضح طور پر موجود ہیں۔ جن اصحاب علم کے نزدیک میرے دلائل اور ان سے اخذ کردہ نتیجہ غلط ہے ان پر لازم آتا ہے کہ وہ معاملہ مذکورہ کو قرآن و حدیث اور اجماع و قیاس سے جائز ثابت کریں۔ اگر جائز ثابت کر دیں گے تو میں فوراً اپنی غلطی کا اعتراف اور اعلان کر دوں گا۔

دوسری قسم کی چیزوں کی مثال مکانوں سے دی جاسکتی ہے جن کی بازاروں میں نہ خاص نرخ سے ایک قیمت مقرر ہوتی ہے نہ اشیاء منقولہ کی طرح خرید و فروخت ہوتی ہے۔ مکانات چونکہ اپنے تعمیری نقشے، تعمیری مواد، چھوٹے بڑے، نئے و پرانے، اور محل وقوع وغیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، لہٰذا ان کی قیمتیں بھی مختلف ہوتی ہیں جیسا کہ سب جانتے ہیں اور چونکہ مذکورہ امور کی بنا پر ان کی کوئی ایک قیمت مقرر نہیں ہوتی لہٰذا نقد اور ادھار جس صورت میں بھی ان کی خرید و فروخت جس ثمن پر بھی ہو جائز ہوتی ہے۔ مکان بیچنے والا خریدنے والے سے کہتا ہے کہ اگر نقد ادا کرو تو ثمن مثلاً ایک لاکھ اور سال کے ادھار پر لو تو ثمن سوا لاکھ ہوں گے تو یہ معاملہ اس وجہ سے درست ہوتا ہے کہ ادھار کی صورت میں جو پچیس ہزار کا اضافہ ہے وہ اصل قیمت پر مدت ادھار کے عوض اضافہ نہیں۔ اس لیے کہ یہاں اصل قیمت سرے سے متعین ہی نہیں، بلکہ اس صورت میں کہہ سکتے ہیں کہ ادھار والے ثمن اصل قیمت کے قائم مقام اور نقد والے ثمن بطور رعایت کے کم ہیں، نہ یہ کہ نقد والے ثمن اصل قیمت اور ادھار والے ثمن اس پر اضافہ ہیں، کیونکہ ثمن اور قیمت کے درمیان لزوم اور تساوی کا تعلق نہیں بلکہ عام و خاص مطلق کا تعلق ہے۔ یعنی ہر قیمت تو ثمن ہو سکتی ہے لیکن ہر ثمن قیمت نہیں ہوتا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات ایک چیز بازار کی قیمت سے کم ثمن پر بیچی خریدی جاتی ہے۔ ایسی بیع کا نام "بیع بالوضیعہ" ہے جو بالکل جائز مانی گئی ہے۔ اسی طرح ادھار کے ثمن کے لیے بھی لازمی نہیں کہ وہ چیز کی اصل قیمت سے ہمیشہ زائد ہو کیونکہ قرض حسن کی صورت میں ادھار چیز کے ثمن اصل قیمت کے برابر ہوتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں "المبسوط" میں جس معاملے کا ذکر اور اس کی ایک صورت کے جواز کا بیان ہے اس کا تعلق دوسری قسم کی کسی چیز سے ہے جس کی بازار میں قیمت مقرر نہیں ہوتی، لہٰذا اس کو نقد کی صورت میں کم ثمن پر اور ادھار کی صورت میں زیادہ ثمن پر بیچا خریدا جاسکتا ہے جو ناجائز ہوتا ہے۔

اور اگر کسی کو اس پر اصرار ہو کہ المبسوط کی مذکورہ عبارت سے ہر چیز کو ادھار کی صورت میں زیادہ ثمن پر بیچنے خریدنے کا جواز نکلتا ہے تو ظاہر ہے کہ ان کی اس عبارت کی حیثیت قرآن کی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی سی نہیں، بلکہ اس سے جو بات نکلتی یا نکالی جاتی ہے وہ اپنی صحت کے لیے شرعی دلیل کی محتاج ہے حالانکہ وہاں کوئی ایسی دلیل مذکور نہیں جو حلال و حرام کے ثبوت کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح "المبسوط" اور "الھدایہ" کی وہ عبارات جو باب المرابحہ کے ایک جزیئے میں مذکور ہیں اور جن کو بعض کتب فتاویٰ میں مسئلہ زیر بحث کے جواز

کے متعلق بطور دلیل پیش کیا گیا ہے، ان سے کہیں یہ ظاہر اور ثابت نہیں ہوتا کہ ادھار پر بیچی خریدی جانے والی ہر چیز کے ثمن میں اجل کے عوض اضافہ کرنا شرعاً جائز ہے، ان سے زیادہ سے زیادہ جو ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ لوگ عادۃً ایسا کرتے ہیں اور یہ کوئی شرعی دلیل نہیں۔ شرعی دلیل وہ ہوتی ہے جس کا اجمالی یا تفصیلی ذکر قرآن و حدیث میں ہو۔ صاحب ہدایہ کی اس عبارت " الا یریٰ انه یزداد فی الثّمن لاجل الاجل " سے مطلب لینا کہ ان کے نزدیک اجل کے عوض ثمن میں اضافہ جائز ہے ان کی طرف ایک ایسے مطلب کو منسوب کرنا ہے جو کسی طرح ان کا مطلب نہیں اور " توجیه القول بما لا یرضیٰ به قائله " کا مصداق ہے۔

بہر حال میں یہاں یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے مسئلہ زیر بحث پر جو لکھا ہے وہ اپنے اس علم و فہم کے مطابق لکھا ہے جو اللہ علیم و خبیر نے مجھے اپنی رحمت سے عطا فرمایا ہے ۔ میں نے پہلے بہت کچھ پڑھا اور سوچا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم کتب خانہ دے رکھا ہے اور میں نے اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ جہاں تک خطاء و غلطی کا تعلق ہے وہ بڑے سے بڑے مجتہد سے بھی ہو سکتی ہے۔ ایک حدیث نبوی کے مطابق مجتہد کی اجتہادی رائے صحیح و صواب بھی ہو سکتی ہے اور غلط و خطا بھی ہو سکتی ہے، اگرچہ خطا کی صورت میں بھی اس کو اجر ملتا ہے۔ رہے ہم جیسے اہل علم تو وہ کس شمار و قطار میں ہیں اور ان کا کیا مقام ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ میں نے کسی دارالافتاء کا سکہ بند مفتی اور نہ کسی عدالت کا رسمی قاضی ہوں، لہٰذا میری تحریر کی حیثیت نہ فتوے کی ہے اور نہ فیصلے کی، بلکہ ایک سوال کے متعلق علمی و تحقیقی جواب کی ہے جو قرآن و حدیث کے حوالے سے مجھ سے دریافت کیا گیا۔

میرے مضمون کی دوسری بات جس کا جواب دینے کی حضرت قاضی صاحب موصوف نے زحمت فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ جو اہل علم حضرات معاملہ زیر بحث کے جواز کے قائل ہیں وہ اس کے ثبوت میں نہ قرآن مجید کی کوئی آیت پیش فرماتے ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث، نہ آثار صحابہ و تابعین میں سے کوئی اثر، نہ حضرات ائمہ مجتہدین کا کوئی اجتہادی قول اور نہ مسلمہ قواعد فقہیہ میں سے کوئی فقہی قاعدہ پیش فرماتے ہیں، بلکہ بطور دلیل فقہ حنفی کی دو کتابوں " المبسوط " اور " الہدایہ " کی ایک عبارت پیش فرماتے ہیں الخ۔ اس کے جواب میں قاضی صاحب موصوف نے جو تحریر فرمایا ہے اس میں بطور جواب نہ قرآن حکیم کی کوئی آیت پیش فرمائی ہے، نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث اگرچہ ضعیف ہی ہو، نہ آثار صحابہ و تابعین میں سے کوئی قولی و فعلی اثر اور نہ فقہی قواعد کلیہ میں سے کوئی قاعدہ کلیہ پیش فرمانے کی زحمت فرمائی ہے بلکہ صرف " کتاب الاصل " سے امام محمد الشیبانی کا ایک قول نقل فرمایا ہے۔ حالانکہ ائمہ مجتہدین سے میری مراد وہ ائمہ اربعہ تھے جن کی طرف چار فقہی مذاہب منسوب ہیں نہ کہ ان کے شاگرد جن کا درجہ مجتہد فی المذہب کا تو ہے لیکن مجتہد مطلق کا نہیں۔ بہر حال میں امام محمدؒ کے قول کو بھی مجتہد کا قول مانتا ہوں لیکن تعجب اور تأسف کی بات یہ ہے کہ قاضی صاحب موصوف نے کتاب الاصل سے امام محمدؒ کا جو

قول نقل فرمایا ہے اس کا میرے زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے کسی لفظ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنا خریدنا ناجائز ہے، بلکہ اس قول کا جس معاملے سے تعلق اور جس کو خود امام محمدؒ نے ناجائز کہا ہے وہ دوسرا معاملہ ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور جس کی ایک شکل کو صاحب مبسوط نے تو جائز کہا لیکن کتاب الاصل میں نہ اس شکل کا ذکر ہے اور نہ اس کے جواز کا، بلکہ صرف اس شکل کا ذکر ہے جس کو صاحب مبسوط نے بھی فاسد و ناجائز لکھا ہے۔ امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ اس معاملے کی ایک شکل جائز بھی ہے جیسا کہ علامہ السرخسی نے المبسوط میں لکھا ہے، لیکن محترم قاضی صاحب نے اپنے جوابی مضمون میں علامہ السرخسی کی جائز کردہ شکل کو امام محمدؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے جو خلاف واقعہ اور غلط ہے، کیونکہ اس شکل کا نہ کتاب الاصل کی اس عبارت میں ذکر ہے جو جلد پنجم کے صفحہ ۱۹ سے خود قاضی صاحب نے نقل کی ہے اور نہ اس عبارت میں ذکر ہے جو اسی کتاب کے صفحہ ۱۹ پر ہے۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی یہ ٹھان لے کہ مجھے دوسرے کی بات کا بہر طور جواب دینا اور اس کی تردید کرنی ہے تو بعض دفعہ غیر شعوری طور پر ایسی بات کہہ جاتا ہے جو خود اس کے نزدیک بھی درست نہیں ہوتی۔

غرضیکہ مذکورہ بالا تحریر سے یہ صاف واضح ہو جاتا ہے کہ معاملہ زیر بحث کے جواز سے متعلق محترم قاضی صاحب قول مجتہد پیش کرنے سے بھی قاصر رہے۔

اگر قاضی صاحب اس بارے میں "کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ" سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول پیش کرتے جو امام محمدؒ نے ایک مسئلہ کے ضمن میں لکھا ہے تو اس کا مسئلہ زیر بحث سے ضرور کچھ تعلق تھا، لیکن انہوں نے شاید اس قول پر مشتمل کتاب الحجۃ کی عبارت کو اس وجہ سے پیش نہیں کیا کہ اس کتاب کا وہ مرتبہ نہیں جو امام محمدؒ کی دوسری کتابوں کا ہے۔ حنفی فقہ و فتاویٰ کی اہم کتابوں میں امام محمد کی دوسری کتابوں کے حوالے تو جا بجا بکثرت ملتے ہیں لیکن کتاب الحجۃ کے حوالے نہیں ملتے۔ یہ ایک مناظرانہ قسم کی کتاب ہے، ظاہر الروایات میں شامل نہیں۔ بہرحال وہ عبارت اس طرح ہے۔

"محمد قال، قال ابوحنيفه رضي الله عنه في الرجل يكون له على الرجل مائة دينار الى اجل فاذا حلت قال الذي عليه الدين بعني سلعة يكون ثمنها مائة دينار نقدًا بمائه وخمسين الى اجل ان هذا جائز لانهما	ترجمہ: "امام محمدؒ نے کہا حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ایسے معاملے کے متعلق فرمایا جس میں ایک شخص کے دوسرے شخص کے ذمے پر ایک خاص مدت کے لیے ایک سو دینار دین ہوں پھر جب ادائیگی کا مقررہ وقت آئے تو مدیون اپنے دائن سے کہے کہ آپ مجھ پر اپنی کوئی ایسی چیز جس کے نقد ثمن ایک سو دینار ہوں ڈیڑھ سو دینار میں ایک خاص

يشترط شيئًا ولم يذكرا امرًا يفسد به الشراء وقال اهل المدينة لا يصلح هذا۔"	وقت تک بیچ دیجیے، یہ معاملہ جائز ہے کیونکہ اس میں فریقین نے نہ کوئی ایسی شرط لگائی اور نہ کسی ایسی چیز کا ذکر کیا جس سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل مدینہ نے کہا کہ یہ معاملہ درست نہیں"۔
(ج ۲، ص ۶۹۴)	

مذکورہ عربی عبارت کے لفظی ترجمہ سے معاملے کی پوری تصویر واضح نہیں ہوتی، لہٰذا اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ مدیون وقت مقررہ پر ادائیگی سے قاصر ہوا اور مزید مہلت حاصل کرنے کے لیے دائن سے کہے کہ آپ اپنی کوئی چیز جس کے نقد ثمن ایک سو دینار ہوں مجھ پر ڈیڑھ سو میں ادھار بیچ دیجیے، لینے کے بعد میں وہ چیز آپ کو واپس کر دوں گا، اس طرح ایک سو دینار ادا ہو جائیں گے اور ڈیڑھ سو میرے ذمہ باقی رہ جائیں گے جو میں اگلی مقررہ مدت پوری ہونے پر ادا کروں گا۔ گویا اس معاملے میں پچاس دینار مزید مہلت بڑھانے کے لیے زیادہ کیے گئے۔ کتاب الحجہ کی مذکورہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے لیکن اہل مدینہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اس کے بعد کتاب الحجہ کی جو عبارت ہے اس میں امام محمدؒ نے سوال و جواب کے مناظرانہ طریقہ سے اہل مدینہ کے وہ دلائل بھی نقل کیے ہیں جن کی بناء پر وہ معاملہ مذکورہ کو فاسد و ناجائز کہتے تھے اور ساتھ ساتھ الزامی طور پر ان دلائل کا جواب بھی دیا۔ گویا ان پر تنقید کر کے ان کو رد کیا ہے لیکن انداز محققانہ سے زیادہ مناظرانہ ہے۔ میں اس عبارت کو ترجمہ کے ساتھ یہاں اس لیے نقل نہیں کر رہا کہ سہو کاتب کی وجہ سے جیسا کہ محشی نے بھی لکھا ہے، اس میں کچھ حک و اضافہ ہوا، لہٰذا کچھ الجھ کر رہ گئی ہے۔ ایسی صورت میں اس کا ترجمہ کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ علماء کرام براہ راست اس کو کتاب الحجہ میں دیکھ سکتے ہیں جن کے پاس وہ موجود ہو، دراصل علماء کرام ہی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس کے دلائل میں کتنا وزن ہے۔ بہرحال کتاب الحجہ کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس معاملہ کے جواز و عدم جواز میں اختلاف رہا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز اور علماء مدینہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ علماء مدینہ میں نمایاں نام حضرت امام مالکؒ کا ہے کیونکہ امام مالک نے "موطا" میں اس معاملے کو فاسد لکھا ہے اور یہ بھی کہ ہمیشہ علماء مدینہ اس معاملے سے روکتے اور منع کرتے رہے ہیں۔

موطا امام مالک کی وہ عبارت جس میں یہ بیان کیا گیا ہے درج ذیل ہے۔

قال مالک فی الرجل یکون له علی الرجل مائة دینار الی اجلٍ فاذا حلت قال له الذی علیه الدین	ترجمہ: "امام مالکؒ نے اس معاملہ کے بارے میں جس میں ایک شخص کے دوسرے پر ایک مدت کے لیے ایک سو دینار بطور دین ہوں،

بعنی سلعة یکون ثمنها	پھر جب ادائیگی کا مقررہ وقت آئے تو مدیون
مائة دینار نقدًا بمائة وخمسین	اپنے دائن سے کہے کہ آپ اپنی کوئی چیز جس کی
دینارًا الی اجلٍ ، هذا	نقد قیمت ایک سو دینار ہو ایک خاص مدت
بیع لا یصلح ، ولم یزل	کے لیے مجھ پر ڈیڑھ سو دینار میں فروخت کر دیجیے
اهل العلم ینهون عنه»	فرمایا کہ بیع کا یہ معاملہ درست اور جائز نہیں ،
قال مالک وانما کره	مدینہ کے اہل علم ہمیشہ اس سے روکتے اور
ذلک لانه انما یعطیه	منع فرماتے رہے ہیں . (ظاہر ہے کہ یہ اہل علم
ثمن ما باعه بعینه ویؤخر	صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ عظام ہی ہو سکتے ہیں)
عنه المائة الاولیٰ	پھر امام مالک نے فرمایا کہ اس معاملے کو اس وجہ
الی اجل الذی ذکر له	سے مکروہ (حرام) قرار دیا گیا ہے کہ اس میں
آخر مرة ویزداد علیه	مدیون دائن کو اس چیز کے ثمن بعینہ پورے دے
خمسین دینارًا فی تاخیره	دیتا ہے جو اس نے زیادہ ثمن پر بیچی تھی اور دائن
عنه فهذا مکروه ولا یصلح	پہلے سو دینار کی ادائیگی نئی مقرر کردہ مدت تک
وهو ایضًا یشبه حدیث	موخر کر دیتا ہے اور تاخیر کے بدلے پچاس دینار
زید بن اسلم فی بیع	بڑھا دیتا ہے ، لہٰذا یہ مکروہ (حرام) ہے اور درست
اهل الجاهلیة انهم	نہیں ۔ نیز یہ اہل جاہلیت کی اس بیع کے مشابہ ہے
کانوا اذا حلت دیونهم	جس کا حضرت زید بن اسلمؓ کی حدیث میں ذکر ہے
قالوا للذی علیه الدین	کہ اہل جاہلیت کا یہ طرز عمل و طریقہ تھا کہ جب ادائیگی
اما ان تقضی واما ان	کا مقررہ وقت آتا تو اپنے مدیون (قرضدار) سے
تربی ، فان قضیٰ	کہتے ادا کرتے ہو یا مزید مدت کے بدلے دین کے
اخذوا والا زادوهم فی	مال کو بڑھانا چاہتے ہو ۔ چنانچہ اگر وہ ادا کر دیتا تو
حقوقهم وزادوا فی الاجل»	لے کر معاملہ ختم کر دیتے ورنہ مدت کے اضافے
	کے ساتھ مال دین میں اضافہ کر دیتے »

متوطا امام مالک کے ایک شارح نے ایک مثال سے اس معاملہ کی وضاحت اس طرح کی ہے ، زید کے بکر کے ذمہ پر ایک ہزار دینار ایک مہینہ کے لیے قرض تھے ، مہینہ پورا ہونے پر بکر ادائیگی کے قابل نہ تھا لہٰذا اس نے

ادھار چیز

مدتِ قرض مزید بڑھانے کے لیے ایک حیلہ نکالا۔ وہ یہ کہ زید سے کہا کہ آپ اپنی کوئی ایسی چیز جس کی بازار میں حاضر قیمت ایک سو دینار ہو مجھ پر ڈیڑھ سو دینار میں ادھار بیچ دیجیے، میں قبضہ کرنے کے بعد وہی چیز آپ کو سو دینار میں بیچ دوں گا یا کسی اور پر بیچ کر جو سو دینار ملیں گے آپ کو دے دوں گا۔ ایسا معاملہ ہو جانے سے زید کے جو سو دینار تھے وہ ڈیڑھ سو ہو جاتے ہیں اور بکر کو ادائیگی کے لیے مزید مہلت مل جاتی ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک اس معاملے کے فاسد اور حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو خرید و فروخت ہوتی ہے وہ اصل مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس میں اصل مقصود، مدت قرض کے عوض مالِ قرض کو بڑھانا ہوتا ہے۔ مدین یعنی مقروض اپنے دائن و قرض خواہ سے ایک سو دینار کی کوئی چیز جو ایک سال کے لیے ایک سو پچاس دینار میں خریدتا ہے تو اس کا مقصد اس کے خریدنے سے پہلے قرض کی ادائیگی کے لیے مزید مہلت حاصل کرنا ہوتا ہے، گویا وہ جو مزید پچاس دینار اپنے ذمے لیتا ہے وہ مزید مہلت و تاخیر کا عوض ہوتے ہیں اور پھر چونکہ مزید مہلت و تاخیر کے عوض قرض کے مال میں اضافہ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق اس ربا النسیہ کی تعریف میں آتا ہے جس کو قرآن حکیم نے حرام قرار دیا ہے، لہٰذا معاملہ مذکور حرام قرار پاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس معاملے کے جائز ہونے کی جو وجہ کتاب الحجہ کی مذکورہ عبارت میں بیان کی گئی ہے یعنی یہ کہ چونکہ بظاہر اس معاملہ میں صراحت کے ساتھ کسی ایسی شرط وغیرہ کا ذکر نہیں جس سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہو لہٰذا یہ جائز ہے، ایک ایسی دلیل ہے جو فقہاء احناف کے اس مسلّمہ فقہی قاعدہ کلیہ سے مطابقت نہیں رکھتی جس کے الفاظ اس طرح ہیں "العبرة فی العقود للمقاصد والمعانی لا للالفاظ والمبانی" یعنی عقود و معاملات میں مقاصد اور معانی کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ و عبارات کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اگر یہ قاعدہ صحیح ہے دلیل مذکور ناقابل اعتبار قرار پاتی ہے، اور پھر چونکہ اس معاملہ میں ایک فریق کو اس کی چیز کا صحیح اور مساوی بدل نہیں ملتا جو حقیقی رضامندی کی علامت اور دلیل ہوتا ہے یعنی اس میں دائن اپنے مدیون سے جو پچاس دینار زائد لیتا ہے ان کا اس کی طرف مدیون کے لیے کوئی مادی عوض موجود نہیں ہوتا، لہٰذا اس میں مدیون کی حقیقی رضامندی نہیں پائی جاتی اور یہ معاملہ باطل کی تعریف میں آتا ہے۔

بہرحال اوپر جس اختلافی معاملے کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق دو ایسے اشخاص سے ہے جن میں سے ایک دائن اور دوسرا مدیون ہے، جبکہ ہمارے زیر بحث معاملے کا تعلق دائن و مدیون سے نہیں بلکہ دو عام آدمیوں سے ہے۔ تاہم دونوں معاملوں کے درمیان ایک گونہ مشابہت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ مشابہت ایسی نہیں جس کو معاملہ زیر بحث کے جواز کی دلیل بنایا جا سکتا ہو، کیونکہ معاملہ مذکور بجائے خود اپنے جواز کے لیے کتاب و سنت کی دلیل کا محتاج ہے۔

حضرت قاضی صاحب نے اپنے جواب میں اجل، وصف، وصف مرغوب و نامرغوب کی جو بحث چھیڑی ہے

اس کے متعلق عرض ہے کہ اس میں ان کی یہ بات درست ہے کہ اجل، وصف ہے اور وصف کا کوئی عوض لیا جا سکتا ہے اور نہ دیا جا سکتا ہے اس کے درست ہونے کی وجہ یہ کہ وصف عرض ہے عین نہیں، اور عرض کا اپنا الگ سے مستقل وجود نہیں ہوتا بلکہ اس کا وجود کسی عین اور جوہر کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ عین کے بغیر عرض کی خرید و فروخت ہو سکے۔ بنا بریں اجل جو بقول قاضی صاحب کے وصف ہے اس کی الگ سے خرید و فروخت کا معاملہ خارج از امکان ہے۔ اس سلسلہ میں قاضی صاحب کا یہ لکھنا بھی درست ہے کہ وصف مرغوب بھی ہوتا ہے اور نامرغوب بھی، اور یہ کہ وصف مرغوب کی وجہ سے شے کی قیمت زیادہ اور نامرغوب کی وجہ سے شے کی قیمت کم ہوتی ہے۔ واقعی یہ بات عقل و فطرت کے مطابق ہے، لیکن یہ بات صرف اس وصف کی حد تک درست اور مطابق عقل و فطرت ہے جو شے کا ذاتی وصف ہوتا ہے، جو اس شے سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا اور اس شے کی خرید و فروخت کے ساتھ ہمیشہ اس کی خرید و فروخت ہو جاتی ہے۔ قاضی صاحب نے جیّد و ردی اور عمدہ اور گھٹیا کھجوروں کی حدیث نبوی کے حوالے سے جو مثال دی ہے اس میں ظاہر ہے کہ جیّد اور عمدہ کھجوروں کا جو مرغوب وصف اور ردی و معمولی کھجوروں کا جو کم مرغوب یا نامرغوب وصف ہے وہ ان کھجوروں کی ذات میں موجود ہے خواہ ان کی تبادلے اور نقد سے خرید و فروخت ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح وہ بات صرف اس وصف کی حد تک درست ہے جو خارج میں حواس سے محسوس ہوتا اور اس کا مرغوب و نامرغوب ہونا کسی خاص شخص کے تعلق سے نہیں بلکہ عام لوگوں کے حوالے سے ہو، جیسا کہ عمدہ کھجوروں کا مرغوب وصف اور گھٹیا کھجوروں کا کم مرغوب وصف کہ اس کو سب محسوس کرتے اور خرید و فروخت میں اس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ لیکن قاضی صاحب کی دوسری بات اس وصف کے لحاظ سے درست نہیں جو بیچی / خریدی جانے والی شے کے اندر حقیقت واقعہ کے لحاظ سے موجود نہیں ہوتا اور حواس سے محسوس نہیں کیا جاتا، بلکہ اعتباری ہوتا ہے اور جس کا وجود بعض اشخاص کے ذہن میں ہوتا ہے، عام لوگوں کے ذہن میں نہیں ہوتا۔

اب آیئے اصل مسئلہ کی طرف جس کے لیے قاضی صاحب نے یہ بحث تمہید کے طور پر اٹھائی ہے، یعنی یہ کہ اجل، وصف ہے اور مرغوب وصف ہے لہٰذا جس شے کے اندر یہ وصف پایا جاتا ہو اس کی قیمت بڑھ جانا عقل و فطرت کے عین مطابق ہے، جیسا کہ جیّد و عمدہ کھجوروں کی قیمت کا زیادہ ہونا ———— عین افسوس کہ قاضی صاحب کا یہ استدلال نہ عقل و فطرت کی رو سے درست ہے اور نہ دین و دانش کی رُو سے، کیونکہ اجل ہرگز ایسا وصف نہیں جو ادھار بیچی خریدی جانے والی چیز کے اندر پایا اور محسوس کیا جاتا ہو اور وہ صرف خریدار کے لحاظ سے نہیں بلکہ عام لوگوں کے لحاظ سے مرغوب ہو۔ مثال کے طور پر ایک مشین جس کی قیمت بازار میں ایک ہزار مقرر ہو نقد پر بیچی جائے یا ادھار پر، وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے یکساں رہتی ہے اور دونوں صورتوں میں اس کی افادیت میں کچھ فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس مشین کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مشین نقد والی ہے یا ادھار والی، معجل ادائیگی والی ہے یا مؤجل ادائیگی

والی اور یہ کہ یہ سب کے لیے مرغوب ہے یا نامرغوب۔ ادھار کی صورت میں ادھار بیچی خریدی جانے والی چیز کے اندر اجل کا وصف اس طرح موجود نہیں ہوتا جس طرح مختلف قسم کی کھجوروں کے اندر ان کا وصف موجود ہوتا ہے، بلکہ اجل کا وصف ان دو اشخاص کے ذہن میں ہوتا ہے جو ادھار پر لین دین کرتے ہیں اور جو شخص دوسرے سے ادھار پر کوئی چیز بازار کی مقررہ قیمت سے زائد پر خریدتا ہے رغبت کی بنا پر نہیں خریدتا بلکہ اپنی اس مجبوری کی بنا پر خریدتا ہے کہ نقد خریداری نہیں کرسکتا۔ جو لوگ نقد پر خریداری کرسکتے ہیں وہ ادھار والی چیز سے رغبت نہیں نفرت کرتے ہیں، اس لیے کہ اس پر زیادہ دینا پڑتا ہے۔

اس ضمن میں قاضی صاحب کا لکھنا کہ "نفس اجل کا عوض لینا ناجائز ہے لیکن بوجہ اجل کے قیمت کا بڑھ جانا فطری و عقلی بات ہے" فطرت صحیحہ اور عقل سلیم کی رو سے درست نہیں، اس وجہ سے کہ نفس اجل کوئی ایسی شے ہے ہی نہیں جس کا عوض لیا دیا جاسکتا ہو، اور مال دین میں اجل کی وجہ سے اضافے کا نام ربٰو ہے جس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے، خواہ وہ شروع میں ہو یا پہلی مدت ختم ہونے کے بعد ہو مطلب یہ کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ دین کی پہلی مدت ختم ہونے پر جب ادائیگی نہ ہو تو مزید مدت یعنی اجل میں اضافے کی وجہ سے مال دین کو مزید بڑھانا قطعی طور پر ربٰو ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ شروع میں اجل کی وجہ سے مال دین میں اضافہ جائز ہے یا جائز نہیں، جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ادھار بیچی خریدی جانے والی چیز اگر ایسی ہے کہ بازاری نرخ کے مطابق لوگوں کے اندر اس کی کوئی ایک قیمت مقرر نہیں تو ایسی چیز بائع اور مشتری اپنی باہمی رضامندی سے جس ثمن میں چاہیں بیچ خرید سکتے ہیں، نقد کی صورت میں بھی اور ادھار کی صورت میں بھی۔ کیونکہ ادھار کی صورت میں نقد کے مقابلہ میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ چیز کی اصل قیمت پر اجل کی وجہ سے اضافہ نہیں ہوتا اس لیے کہ یہاں اصل قیمت موجود ہی نہیں ہوتی اور نقد کے ثمن کو اصل قیمت نہیں کہہ سکتے، بلکہ اس میں احتمال ہوتا ہے کہ جو ادھار کے ثمن ہیں وہی اصل قیمت ہے۔ اور اگر وہ چیز ایسی ہے کہ بازاری نرخ کے مطابق اس کی قیمت مقرر ہے، ناپ تول اور تعداد سے اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے تو ایسی چیز نقد کی صورت میں جس ثمن پر بھی بیچی خریدی جاتے درست ہے، بشرطیکہ فریقین کی رضامندی سے ہو۔ البتہ ادھار کی صورت میں اس کی مقررہ اصل قیمت پر اجل کی وجہ سے اضافہ کو میں اسی طرح ربٰو سمجھتا ہوں جس طرح سب اہل علم حضرات اس اضافہ کو ربٰو سمجھتے ہیں جو نئی اجل کی وجہ سے مال دین میں کیا جاتا ہے۔

جہاں تک میرے مطالعے کا تعلق ہے ظہور اسلام کے زمانہ میں جو چیزیں ادھار پر بیچی خریدی جاتی تھیں وہ عموماً ایسی چیزیں تھیں جن کی بازاری نرخ کے مطابق قیمت مقرر نہیں ہوتی تھی، لہٰذا ان کی ادھار کی قیمت ہی اصل قیمت سمجھی جاتی تھی۔ تلاش و جستجو کے باوجود مجھے کوئی ایسی روایت نہیں مل سکی جس سے یہ ظاہر ہو کہ عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں کسی شخص نے کوئی چیز مقررہ قیمت سے زائد ثمن پر ادھار بیچی ہو اور کسی نے اس کو منع نہ کیا ہو۔

اگر قاضی صاحب یا دوسرے کوئی اہل علم اپنے وسیع مطالعے کی بنا پر کوئی ایسی روایت پیش فرما دیں جس میں یہ تصریح ہو کہ عہد رسالت اور عہد صحابہؓ میں فلاں شخص نے اپنی کوئی ایسی چیز جس کی بازاری قیمت مقرر تھی فلاں شخص کو بطور ادھار مقررہ قیمت سے زائد ثمن پہ دی اور کسی نے اس کو ناجائز نہ کہا تو میں اپنے موقف سے رجوع کر لوں گا۔

قاضی صاحب موصوف نے اپنی تحریر میں مرحوم و مغفور حضرت مفتی سیاح الدین نور اللہ مرقدہ کے مضمون کا بھی ذکر کیا ہے جو کئی سال پہلے انہوں نے بڑی محنت و تحقیق سے لکھا اور اس میں ادھار کے مذکورہ معاملہ کو ربا کے حکمی سے تعبیر فرمایا۔ جن حضرات کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہو وہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون کو ضرور پڑھیں جو ماہنامہ "حکمت قرآن" لاہور کے جنوری ۱۹۹۲ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ میرے اور مفتی صاحب مرحوم کے مضمون میں جو فرق ہے وہ صرف اسلوب بحث، اندازِ تحقیق اور طرز استدلال کا ہے، نتیجہ دونوں کا تقریباً ایک ہے۔ میری تو کوئی حیثیت نہیں، لیکن حضرت مفتی صاحب مرحوم کا عہد حاضر کے علماء دیوبند میں علمی اور فقہی خدمات کے لحاظ سے جو بلند مرتبہ تھا وہ کسی بیان کا محتاج نہیں لہٰذا اس موضوع پر ان کی تحریر کی خصوصی اور بڑی اہمیت ہے۔

آخر میں یہ عرض کر دینا مناسب بلکہ ضروری سمجھتا ہوں کہ معاملہ زیر بحث پر میں نے جو لکھا ہے اس سے میرا مقصد نہ کسی عالم دین کی تائید و موافقت کرنا اور نہ کسی کی تردید و مخالفت کرنا ہے، اور میں اپنے لکھے ہوئے کو حرف آخر اور سو فی صد صحیح و صواب نہیں سمجھتا۔ بہرحال میں نے عند اللہ اپنی مسئولیت کے تحت جو لکھا ہے اور اپنی علمی تحقیق کا جو نتیجہ پیش کیا ہے مجھے رنج و افسوس ہے کہ وہ اس نتیجے سے مختلف رہا جو میرے بعض اکابر کی علمی تحقیق کا نتیجہ تھا میں یقین رکھتا ہوں کہ جن جلیل القدر علماء کرام نے معاملہ زیر بحث کو جائز لکھا ہے علمی دلیل کی بنیاد پر اور پوری دیانتداری کے ساتھ لکھا ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے متعلق تجہیل و تفسیق کا خیال بھی گناہ کبیرہ ہے بیشمار علمی تحقیقات اور دینی خدمات کے لحاظ سے ان کا جو اعلیٰ مقام و مرتبہ ہے اس کے سامنے ہم جیسے لوگوں کی حیثیت وہ بھی نہیں جو سرچ لائٹ کے سامنے معمولی چراغ کی، اور میرا دل ان کی عقیدت و محبت اور ان کے ادب و احترام سے لبریز ہے، حتیٰ کہ ان کے تصور اور ذکر سے بھی ایمان تازہ ہوتا ہے اور چونکہ انہی بزرگوں کی یہ بھی تعلیم و تلقین رہی ہے کہ ایک ذی علم اپنے علم و فہم کے مطابق جس بات کو حق سمجھے اور اس کے اظہار میں اسلام اور مسلمانوں کی خیر و بھلائی دیکھے بلا خوف لومۃ لائم اس کا اظہار کرے، لہٰذا میں نے جو لکھا ہے ان کی منشاء کے عین مطابق ہے خاتمے پر پھر یہی گذارش ہے کہ اگر کوئی صاحب دلائل کے ساتھ میرے لکھے کو غلط ثابت کر دیں تو میں بلا تامل اپنی غلطی کا اعتراف اور اعلان کر دوں گا۔

جہاں تک برا بھلا کہنے والوں کا تعلق ہے انہوں نے کب کسی کو بخشا ہے وہ اپنی باطنی کیفیت کا اظہار ان کی فطرتی مجبوری ہے۔ اللہ معاف کرے۔

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنت
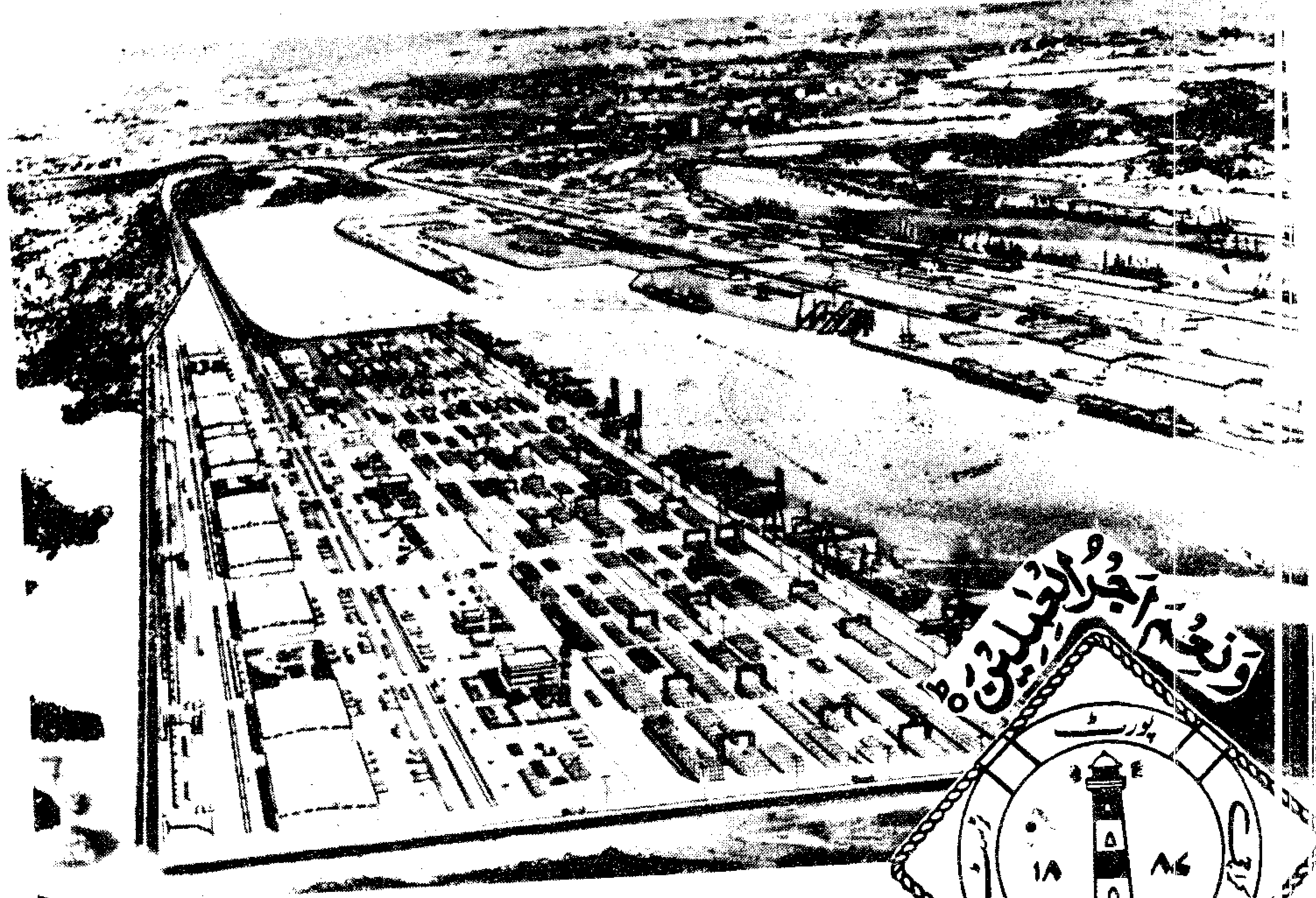
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجنیئرنگ میں کمالِ فن
- مستعد خدمات
- مسلسل محنت
- جدید ٹیکنالوجی
- باکفایت اخراجات

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

PID Islamabad
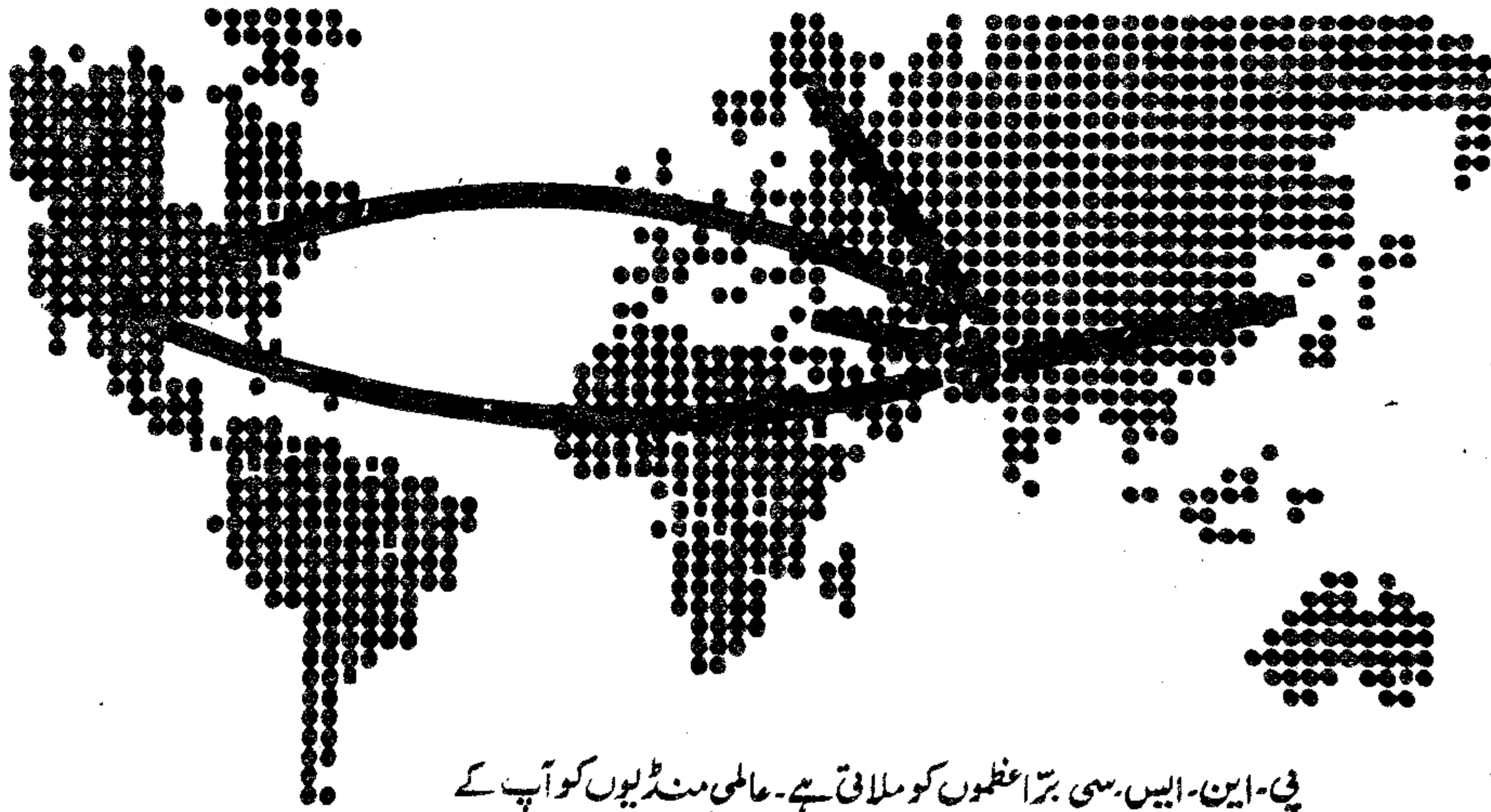
پی۔این۔ایس۔سی براعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے
قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل
برآمدکنندگان اور درآمدکنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔
پی۔این۔ایس۔سی قومی پرچم بردار۔ پیشہ ورانہ مہارت کا حامل
جہازراں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہازراں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہازراں ادارہ

اقبال احمد صاحب
امیر دعوت اسلام ٹرسٹ

ملک میں فقہ حنفیہ کا نفاذ پاکستانیوں کا جمہوری حق ہے

۱۹۹۱ء کی مردم شماری اور اس سے متعلق اعداد و شمار کی روشنی میں اقلیت کے حقوق کا منصفانہ حل

الحمد اللہ پاکستان میں مایوسی اور غیر یقینی کیفیات کے سیاہ بادل چھٹتے جا رہے ہیں اور امید و کامرانی
کی صبح نمودار ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم پاکستانیوں کو اپنے خصوصی
لطف و کرم سے نوازا ہے۔ پاکستان میں ایک فلاحی ریاست کے قیام اور اسلامی شریعت کے نفاذ کی
دیرینہ آرزو کی تکمیل ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اب ہر شہری کو امید ہو گئی ہے کہ ملک میں عدل و انصاف
کا دور دورہ ہو گا' سماجی اور اقتصادی شعبوں میں متوازن ترقی ہو گی اور ہماری دینی عظمت کے لئے ملک
کے مختلف مکاتب فکر میں پائدار ہم آہنگی ہو گی۔

انہی اغراض و مقاصد' امیدوں اور آرزوؤں نے نظریہ پاکستان کو جنم دیا تھا اور آخر کار ایک عظیم
جدوجہد کے بعد پاکستان کی آزاد و خود مختار مملکت وجود میں آئی لیکن یہ تقدیر کی ستم ظریفی ہے کہ باوجود
اس کے کہ ہر پاکستانی کے دل و دماغ میں یہ آرزوئیں موجزن رہیں مگر اس حقیقت سے کون انکار کر
سکتا ہے کہ ایک ایسی مملکت کا قیام ایک سراب ہی رہا۔

ان تمام ناکامیوں کی بنیادی وجہ یہ رہی ہے کہ اب تک عوام کی فکر و نظر سے متعلق معلومات
اکٹھی نہیں کی گئیں۔ مثال کے طور پر پاکستان اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے قائم ہوا ہے لیکن گزشتہ
چالیس سال کی تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی خفیہ ہاتھ اس تمام جدوجہد کو خاک میں ملا رہا
ہے۔

شدید خطرات سے وابستہ نقطہ ہائے نظر میں بعد المشرقین نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور نفاذ فقہ
... کی شکل اختیار کر لی ہے اور اس سلسلہ میں خونیں تصادم بھی ہو چکے ہیں اور حالات بتلا رہے ہیں
... مزید تصادم ہونے کے قوی امکانات ہیں۔

اس بعد المشرقین کی بنیادی وجہ جانبین کی طرف سے مختلف اور تردیدی دعوے کیے جاتے رہے
مثلاً شیعوں کا دعویٰ ہے کہ ان کی تعداد آبادی میں چالیس سے ساٹھ فیصد ہے لہٰذا جمہوری اصولوں
کے مطابق فقہ جعفریہ کا نفاذ لازم ہے۔ جب کہ سنیوں کے مطابق سنیوں کی تعداد پاکستان میں 98 فیصد
ہے اور یہ تمام کے تمام فقہ حنفی کے پیرو ہیں لہٰذا اکثریت کے جمہوری اصول کے مطابق یہ حق فقہ

حنفیہ کا ہے کہ اس کو ہی اس ملک میں نافذ کیا جائے - لیکن یہ اختلافی کیفیت اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ ہمارے پاس شیعوں اور سنیوں کے علیحدہ علیحدہ اعداد و شمار نہیں ہیں -

مندرجہ بالا حالات کی روشنی میں یہ اشد ضروری ہے کہ 1991ء میں ہونے والی مردم شماری میں شیعوں اور سنیوں کی تمیز کی جائے تاکہ یہ واضح طور پر معلوم ہو سکے کہ کس فرقہ کی تعداد کتنی ہے - اس کے نتیجہ میں حسب ذیل فوائد ہوں گے:

(1) ہر فرقہ کے حقوق کا فیصلہ عدل و انصاف کی بنیاد پر ہو سکے گا اور یہی جمہوری طریق کار ہے -

(2) ہر ادارہ میں ان اعداد و شمار کے مطابق ہر فرقہ کے حقوق کا تعین ہو سکے گا اور عدل کے تقاضے پورے ہو سکیں گے -

(3) جب صحیح اعداد و شمار کی بنیاد پر حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین ہو جائے گا تو کسی بھی فرقہ کو شکایت کی گنجائش نہیں رہے گی اور خونیں تصادم کے خطرات دور ہو جائیں گے اور ملک امن و سکون کی فضا میں ترقی کرے گا۔

اندرونی اور بیرونی مخالف طاقتیں ملک میں فضا مکدر و مسموم کرنے پر تلی ہوئی ہیں تاکہ نہ صرف جمہوریت تباہ ہو بلکہ اسلامی شریعت کے نفاذ کا امکان بھی ختم ہو جائے۔

یہ از بسکہ ضروری ہے کہ تعداد کے اعتبار سے اقلیت کے حقوق کا منصفانہ طور پر تعین کیا جائے یہ ان کا جمہوری حق ہے تاکہ اکثریت ان کے حقوق پر غالب نہ آ سکے جیسا کہ ایران میں ہوا ہے - لیکن یہ بھی ناروا ہو گا کہ اکثریت کے حقوق کو فرضی اعداد و شمار کی بنیاد پر متعین کر کے ان کو مغلوب کر دیا جائے۔

محترم!

ہم اس عرضداشت سے کچھ مطالعے ضمیمہ کے طور پر منسلک کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ان کی روشنی میں آپ صحیح نتیجہ پر پہنچ کر آئندہ مردم شماری میں شیعہ اور سنی کی تمیز قائم کر کے علیحدہ علیحدہ اندراجات کا حکم صادر فرمائیں گے۔

اللہ پاک آپ کو اپنی اعلیٰ اور ارفع برکتوں سے نوازے' آمین

اقبال احمد

امیر دعوت الاسلام ٹرسٹ،

ضمیمہ - 1

پاکستان کی کل مسلم آبادی میں شیعوں کا حصہ (تعداد) سے متعلق مختلف مطالعے

(1) 1911ء اور 1921ء کی برصغیر پاک و ہند کی مردم شماری کی بنیاد پر -

(2) مندرجہ ذیل مطبوعات میں دی ہوئی تمام دنیا اور مذاہب کے اعداد و شمار کی بنیاد پر۔
(الف) ریڈرز ڈائجسٹ ایسوسی ایٹس کی دی گریٹ اٹلس آف دی ورلڈ
(ب) دی ٹائمز فیملی اٹلس 1988ء
(ج) دی ڈیلی ٹیلیگراف اٹلس 1988ء
(د) گنیز انسائیکلوپیڈیا 1990ء کی بنیاد پر
(3) حافظ نذیر احمد کے مرتبہ مدارس عربیہ میں شیعی اور سنی مدارس اور طلباء کی تعداد کی بنیاد پر۔
(4) بینکوں میں زکواۃ کی کٹوتی سے استثنیٰ کی درخواستوں کی تعداد کی بنیاد پر۔

یہ تمام مطالعے یہ واضح کرتے ہیں کہ پاکستان میں کل مسلم آبادی میں شیعوں کا حصہ دو فیصد سے بھی کم ہے۔

وضاحتیں

(1) اختصار کی خاطر صرف اخذ کردہ نتائج بیان کئے گئے ہیں ۔
(2) سابقہ معلومات کو مطالعوں کی بنیاد بنایا گیا ہے اس لئے کہ مندرجہ ذیل عناصر تبدیل نہیں ہوا کرتے:
(الف) اضافہ کی شرح یکساں رہتی ہے۔
(ب) افزائش نسل کی شرح یکساں رہتی ہے۔
(ج) تبدیلی مذہب کی شرح یکساں رہتی ہے۔
(د) اموات (حادثاتی ' وبائی اور عمومی) کی شرح یکساں رہتی ہے۔
(3) نقل سکونت کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔
(یکساں = بالکل وہی)

ضمیمہ - 2

برصغیر ہند و پاک کی 1911ء و 1921ء کی مردم شماری کی بنیاد پر مطالعہ:
(1) 1921ء کی مردم شماری کے مطابق

(الف) برصغیر ہند و پاک کی کل آبادی	305736.000
(ب) مسلم آبادی	71005000
(ج) شیعہ آبادی	730008

مندرجہ بالا تفصیلات کے مطابق شیعہ آبادی کل مسلم آبادی کا 1ء02 فی صد ہوتی ہے ۔
نوٹ:۔ ضمیمہ نمبر 1 میں جن یکسانیتوں کا حوالہ دیا گیا ہے 1911ء کی مردم شماری میں وہ قریب قریب بالکل وہی ہیں۔

برطانوی حکمرانوں نے 1931ء کی مردم شماری میں شیعہ اور سنی امتیاز کیوں ختم کیا ۔ بہت اہم بات ہے ۔ اس کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

برطانوی حکمرانوں کی بدنام زمانہ پالیسی یہ بھی تھی کہ تفرقہ ڈالو اور حکمرانی کرو۔ وہ ایک طرف ہندو اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈلواتے رہے اور وقت ضرورت خود مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرتے رہے ۔ 1857ء کی جنگ آزادی اول میں مسلمانوں نے انگریز حکمرانوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے لیکن مسلم آبادی کے شیعی حصہ نے اور شیعی مقامی ریاستوں نے برطانیہ کی طرف داری کی تھی۔ 1857ء کی جنگ کے بعد شیعوں نے من حیث الجماعت یہ اعلان کیا کہ شیعی عقاید کے اعتبار سے امام کی غیبت میں جہاد بالسیف کی اجازت نہیں ہے اس اعلان سے برطانیہ کو یہ اطمینان ہو گیا کہ مسلمانوں میں شیعہ ان کی حکومت کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے ۔ اس کے علاوہ اب وہ وقت بھی آ گیا تھا کہ شیعوں کو اس غداری کا بھی انعام دیا جائے جو میر جعفر نے بنگال میں' صادق علی نے میسور میں اور الٰہی بخش نے دلی میں کی تھی جس کی وجہ سے انگریزوں کو ہندوستان میں رفتہ رفتہ مکمل اقتدار حاصل ہوا ۔ واضح رہے کہ یہ سب شیعہ تھے ۔ دوسرے شیعی قائدین یہودیوں کی طرح تیز و طرار ہونے کی وجہ سے یہ سمجھ سکے کہ کوئی وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ یہ امتیاز ان کے لئے نقصان دہ ہو لہٰذا اگرچہ اس کو بادی النظر میں مسلمانوں میں اتحاد کا مد سمجھا گیا لیکن درپردہ سنی اکثریت کے مفادات پر ضرب کاری تھی۔

جنگ عظیم اول کے بعد صیہونیت ایک عظیم بین الاقوامی قوت بن کر ابھری ۔ اگرچہ زیر زمین سہی لیکن شیعی صیہونیت بھی تاریخ میں ایک معروف حیثیت رکھتی ہے ۔ یہ برطانوی حکمرانوں اور بین الاقوامی صیہونیت کے مفاد میں نہ تھا کہ شیعوں کو بہت ہی قلیل ترین اقلیت کے طور پر پیش کیا جائے۔

ان وجوہات کی بنا پر 1931ء کی مردم شماری میں شیعہ اور سنی امتیاز ختم کر دیا گیا اور شیعہ اور سنی فسادات کی ابتدا ہوئی ۔ اس امتیاز کو ختم کرانے میں شیعوں کی دلچسپی یہ بھی تھی کہ چونکہ وہ جدید تعلیم سے نسبتاً زیادہ آراستہ ہیں لہٰذا پورے مسلم کوٹہ پر قبضہ کر سکیں گے ۔ اس میں وہ کامیاب بھی ہوئے اور اس کے اثرات ابھی تک نمایاں ہیں ۔

ضمیمہ - 3

ریڈرز ڈائجسٹ، ورلڈ ایٹلس، ٹائمز اور ڈیلی ٹیلیگراف اٹیلس اور گنیز انسائیکلوپیڈیا برائے 1990ء میں فراہم کردہ معلومات کی بنیاد پر مطالعہ۔

(1) ریڈرز ڈائجسٹ کی شائع کردہ اٹلس برائے سال 1962ء

(الف) تمام دنیا میں سنی آبادی — 36 کروڑ

(ب) تمام دنیا میں شیعہ آبادی — 4 کروڑ

(ج) کل مسلم آبادی میں شیعوں کی تعداد — 11ء118 فیصد

(2) ریڈرز ڈائجسٹ کی شائع کردہ اٹلس برائے سال 1972

(الف) تمام دنیا میں سنی آبادی — 46 کروڑ 54 لاکھ

(ب) تمام دنیا میں شیعہ آبادی — 4 کروڑ

(ج) کل مسلم آبادی میں شیعوں کی تعداد — 8ء598 فی صد

شیعہ آبادی میں 2ء528 فی صد کی کمی قابل توجہ ہے۔

اس مطالعہ کے بعد دیکھنا چاہئے۔

(1) (الف) ایران کی کل آبادی — 31،300،000

(ب) شیعوں کی تعداد 29،109،000

(93 فی صد)

(2) الف عراق کی کل آبادی — 10،770،000

(ب) شیعوں کی تعداد 5،385،000

کل تعداد 34،494،000 — 42،070،000

(ج) باقی دنیا میں شیعوں کی تعداد 5،506،000

40،000،000

(د) باقی دنیا میں کل مسلم آبادی — 463330000

505،400،000

باقی شیعی آبادی کا باقی سنی آبادی کا تناسب — 1ء18 فیصد

برصغیر ہندو پاک میں شماریات کا 59ء — 59ء

لہٰذا پاکستان میں شیعوں کی تعداد — 1ء77 فیصد

ضمیمہ - 4

شیعی اور سنی مساجد کی تعداد کی بنیاد پر مطالعہ

(1) شیعی اور سنی آبادی کی تعداد کے متعلق باقاعدہ مردم شماری کی غیر موجودگی میں عبادت گاہوں کی تعداد، ان کی گنجائش اور ان کی موجودہ کیفیت سے کسی بھی مکتبہ فکر کے پیروؤں کی تعداد کا ایک قابل اعتماد اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(2) اسلام میں صلوۃ (نماز) پنجگانہ، جمعہ فرائض اولین میں سے ہے لہٰذا مساجد کی تعمیر کے لئے قرآن پاک میں خصوصی توجہ دلائی گئی ہے - یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ پہلے موقع پر مسجد کی تعمیر میں حصہ لے سکے -

(3) برصغیر ہندو پاک کے کسی بھی علاقہ میں شیعہ اور سنی مل کر ایک مسجد میں نماز ادا نہیں کرتے۔

(4) اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ شیعوں کی مساجد مشکل سے کہیں کہیں نظر آتی ہیں اور ان کا تناسب سینوں کی مساجد کے مقابلہ میں ایک اور سو کا ہے - دوسرے سینوں کی مساجد عام طور پر نمازیوں سے بھری ہوئی وسیع و عریض ہوتی ہیں جب کہ شیعوں کی مساجد عام طور پر مختصر اور غیر آباد نظر آتی ہیں۔

(5) مساجد کی یہ تعداد اور اس کا بین ثبوت ہے کہ پاکستان میں شیعہ آبادی کسی طرح بھی کل مسلم آبادی میں دو فیصد سے تجاوز نہیں کرتی -

ضمیمہ - 5

شیعہ اور سنی دینی مدارس اور طلباء کی بنیاد پر مطالعہ

اس مطالعہ میں حافظ نذیر احمد صاحب کی کتاب پاکستان میں مدارس عربیہ کا جائزہ سے مدد لی گئی ہے۔

مدارس

صوبہ	مدارس کی کل تعداد	شیعہ مدارس	شیعہ مدارس فی صد
پنجاب	580	13	2ء24
سرحد	149	1	61ء
سندھ	120	1	83ء

بلوچستان	44	+	+ ،
میزان	893	15	1ء68

طلباء

صوبہ	کل تعداد	شیعہ طلباء	شیعہ طلباء فی صد
پنجاب	29095	442	1ء52
سرحد	9506	31	ء32
سندھ	5430	35	ء65
بلوچستان	1207	--	--
---	----	---	
میزان	45238	508	1ء12

اس مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ شیعوں کی تعداد کل مسلم آبادی میں 1ء12 تا 1ء68 فیصد کہی جا سکتی ہے۔

زکواۃ کی کٹوتی سے استثنیٰ کی درخواستوں کی بنیاد پر مطالعہ بینکنگ کونسل کی شائع کردہ رپورٹ کے مطابق اوسط تعداد 1ء77 فی صد ہے۔

بقیہ وفیات

اتنا بڑا مجمع ہوا تھا اور نہ آئندہ اس کی توقع ہے تو ہم نے بھی اپنے دل میں کہا یہ اس عہد کے امام زیلعی اور ملا علی قاری کا جنازہ ہے جن کی زبان و قلم ہمیشہ احادیث کی شرح و ترجمانی اور ان کی مشکلات، و غوامض کو حل کرنے میں مصروف رہے ہیں اور جن کا وجود گرامی علوم نبوی کی خدمت و فروغ اور نادر و نایاب کتب احادیث کی طبع و اشاعت کے لئے وقف رہا ہے -

اللہ تعالی عالم آخرت میں علم و دین اور احادیث نبوی کے اس خادم کے مراتب و درجات کو بلند کرے آمین - (معارف)

Safety MILK
THE MILK THAT
ADDS TASTE TO
WHATEVER
WHEREVER
WHENEVER
YOU TAKE
YOUR SAFETY
IS OUR Safety MILK

مولانا محمد اسلم شیخوپوری
جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

اصلاح و فلاح امّت

کے لیے چند تجاویز

ماہنامہ الاشرف کراچی کی رمضان المبارک کی خصوصی اشاعت میں ایدھی صاحب کے حوالے سے ایک مضمون شائع ہوا تھا قارئین کی بڑی تعداد نے اسے توجہ سے پڑھا اور اس پر اپنے اپنے انداز میں تبصرہ کیا چونکہ اس مضمون میں علماء اور دینی حلقہ کے معتبرین سے یہ درخواست بھی کی گئی تھی کہ وہ خدمت خلق کے کام کو اسلامی اصولوں پر استوار کریں تو اس سلسلہ میں احقر نے زیر نظر مضمون تحریر کیا ہے جس میں نہ صرف خدمت خلق کا ایک مفصل اسلامی خاکہ تجویز کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کے دگرگوں حالات کی اصلاح و فلاح کے لیے چند مزید تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں ہم اپنے دیگر تعلیم یافتہ احباب بالخصوص الحق کے قارئین سے بھی توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس موضوع پر قلم اٹھا کر بحث کو آگے بڑھانے میں مدد دیں گے۔ (ادارہ)

آج جب کہ ہر صاحب دل اور دین کا درد رکھنے والا مسلمان اہل اسلام کی معاشرتی، سیاسی اور معاشی ابتری پر پریشان ہے فتنوں کی کثرت ہے اور متاع ایمان، بازار کی جنس ارزاں بن کر رہ گئی ہے۔ نئی نسل دن بدن دین سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ فحاشی اور عریانیت غالب آ رہی ہے ان تکلیف دہ حالات میں مختلف دینی اور سیاسی جماعتیں اپنے اپنے انداز میں جو بھی اصلاحی کوششیں کر رہی ہے وہ غنیمت ہیں۔ ہمیں کسی کو برا بھلا نہیں کہنا ہم اپنی محدود سی سوچ کے مطابق آپ کی توجہ چند ایسے شعبوں کی جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں جو ہماری خصوصی توجہ کے مستحق ہیں اور ان میں جتنا کام ہونا چاہیے اتنا نہیں ہو رہا ہے۔

لہٰذا ہماری گذارشات غور سے پڑھیے اگر بات دل کو لگے تو ہمارے ساتھ تعاون کیجیے اور اگر آپ تعاون پر آمادہ نہ ہوں تو اپنے اپنے محلے اور شہر میں اپنے طور پر یہ کام کیجیے اور اگر ہمارے تعاون کی ضرورت ہو تو یاد فرمالیجے گا ہم اپنی بساط اور حالات کے مطابق آپ کی آواز پر لبیک کہیں گے۔

شعبہ خدمت خلق موجودہ حالات میں شعبہ خدمت خلق کو غیر سیاسی بنیادوں پر خالص اسلامی اصولوں کے مطابق تشکیل دینا ضروری ہے، اس شعبہ میں قادیانی، عیسائی اور دیگر گمراہ فرقے بہت زیادہ فعال ہیں اور غریب مسلمانوں کے ایمان کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں جو چند ایک مسلمان سماجی میدان میں مصروف عمل ہیں ان کا کام اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں۔ زکوٰۃ صدقات وغیرہ کے مصارف میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا اور خدمت سے ان کا مقصد مسلمانوں کی حفاظت یا دین کی اشاعت ہرگز نہیں بلکہ ان کا مقصد یا تو شہرت ہے یا خدمت برائے خدمت ہے، خدمت خلق کے شعبے میں ہمارے پیش نظر جو کام ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(الف) اسلامی ذہن رکھنے والے ایسے نوجوان تیار کئے جائیں جو ہسپتالوں میں یا گھروں میں پڑے ہوئے مریضوں اور بڑھوں کی عیادت اور خدمت کے لیے ہر ماہ کچھ وقت دیں یہ عیادت کے ساتھ ساتھ مثبت انداز میں دین کی دعوت بھی دیتے رہیں۔ ان میں سے غریب نوجوانوں کی مالی معاونت بھی کی جاسکتی ہے، میں نے ہسپتالوں میں ایسے مریض بھی دیکھے ہیں جو چھ چھ ماہ سے بستر پر پڑے ہیں، خود اٹھ کر پیشاب نہیں کر سکتے اور گھر میں کسی مرد کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی نوجوان بہنیں یا مائیں ان کی خدمت کرتی ہیں۔

(ب) کبھی کبھار علماء اور دینی شخصیات بھی ہسپتالوں کے چکر لگائیں۔ بیماروں کی تیمارداری کریں اور حسب وسائل نقد پیسے یا فروٹ وغیرہ انہیں پیش کریں یوں سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مٹی ہوئی سنت بھی زندہ ہوگی اور عوام کا علماء کے ساتھ تعلق بھی بحال ہوگا۔ یہ تو آپ کے علم میں ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں تک کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور بعض کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس حسن سلوک کی وجہ سے ایمان کی دولت سے نواز دیا اور آپ نے فرمایا کہ عیادت کرنے والے کے لیے ستر ہزار فرشتے دعا کرتے ہیں۔

(ج) غریب مسلمانوں کی اعانت مالی کے لیے مسجد کو ایک مرکز کی حیثیت دی جائے، ابتداء میں چند مساجد میں تجرباتی طور پر کام شروع کیا جاسکتا ہے جس کی صورت یہ ہو کہ مسجد کے چند با اعتماد مستقل نمازیوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے وہ آس پاس رہنے والے ایسے گھرانوں پر نظر رکھیں جہاں غریب ہو یا کوئی بے سہارا بوڑھا مرد یا عورت ہو، ان جیسے لوگوں کے حالات کی پوری طرح تصدیق کر لینے کے بعد ان کی عزت نفس کا خیال رکھتے ہوئے خاموشی سے ان کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

اگرچہ جہیز کی لعنت کو ختم کرنے کی ضرورت ہے لیکن اگر غیر زکوٰۃ کی رقم (معقول رقم) جمع ہو جائے تو بامر مجبوری اس معاملے میں بھی تعاون کے لیے سوچا جاسکتا ہے۔

(د) مسلمانوں کو سود سے بچانے اور انہیں کسب حلال کی راہ پر ڈالنے کے لیے قرض کی اسکیم شروع کی جاسکتی ہے جس کے لیے درج ذیل صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔

(الف) عطایا اور صدقات سے امدادی فنڈ جمع کیا جائے۔

(ب) اس فنڈ میں امانتیں اور عوام کو ترغیب دے کہ ایسے اموال بھی رکھے جا سکتے ہیں جو فی الوقت ان کے پاس زائد از ضرورت ہوں (ان حضرات سے ان کی امانتوں اور اموال کے استعمال کی اجازت لی جا سکتی ہے)۔

(ج) امدادی ٹکٹ فروخت کر کے رقوم جمع کی جائیں۔

(د) جمع شدہ فنڈ کو تجارت میں لگا کر حاصل شدہ منافع کو مزید مضبوط کیا جا سکتا ہے۔

ان مختلف مدات سے حاصل ہونے والے سرمایے سے

(۱) یتیموں، بیواؤں اور حوادث کا شکار ہونے والے مستحق مسلمانوں کو زیورات مخصوص کرنے پر ایک خاص مدت کے لیے قرض دیا جائے۔

(۲) بے روزگار اور فاقہ کش مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے ٹھیلہ یا چھوٹی موٹی دوکان یا رکشہ وغیرہ بلا کسی زائد منافع کے قسطوں پر لے کر دیا جائے۔

(۳) ایسے بھکاریوں کے ساتھ بھی مشروط تعاون کیا جا سکتا ہے جو واقعی حالات سے مجبور ہو کر بھیک مانگ رہے ہوں اور بھیک چھوڑنے کے لیے آمادہ ہوں۔

(۴) ایکسیڈنٹ وغیرہ کا شکار ہونے والے ایسے مسلمان بھائی جو زکوٰۃ یا صدقہ لینے پر آمادہ نہ ہوں اور خود ان کے مالی حالات بڑے اخراجات کے متحمل نہ ہوں ان کے زخموں پر اس فنڈ سے مرہم رکھی جا سکتی ہے۔

(۵) ایسے مظلوم انسان جن کو جھوٹے مقدمات میں پھنسا دیا گیا ہو یا جو ناحق جیل کی کال کوٹھڑی میں بند ہوں (اخبارات میں ایسے واقعات شائع ہو چکے ہیں کہ ایک شخص دس سال تک اور دوسرا (۴۰) سال تک ناحق جیل میں پڑا گلتا سڑتا رہا) ان کی قانونی مدد کی جائے۔

اسی طرح محلہ یا شہر یا ملک کی سطح پر جو غنڈے اور بدمعاش جبر و تشدد اور زیادتیوں کا ارتکاب کرتے ہیں ان کے خلاف رائے عامہ کو منظم کیا جائے اور اس سلسلہ میں ہراول دستہ کا کردار ادا کرنے والے نوجوانوں سے ہر طرح سے تعاون کیا جائے۔

یاد رکھیں اسلام ہر قسم کے ظلم کے خاتمے اور عدل کے قیام کے لیے دنیا میں آیا ہے اور ہم اسلام کے اس بنیادی پہلو کو عملی طور پر جس قدر مضبوط کریں گے اتنا ہی اسلامی نظام کے نفاذ کا راستہ ہموار ہوگا۔ ہر خادم اسلام پر لازم ہے کہ وہ ظلم کا دشمن اور عدل کا علمبردار ہو۔

(۶) آج کی دنیا میں محسن شخصیات اور باصلاحیت افراد کے تعارف کی ایک صورت یہ ہے کہ انہیں میڈل اور انعامات دیئے جاتے ہیں۔ اگر شعبہ خدمت خلق میں عطایا اور ہدایا پر مشتمل فنڈ علمی خدمات انجام دینے والے علماء اور دفاق

میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبا کے لیے مخصوص کر دیا جائے تو اس سے ان کی عزت میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوگا اور نہ وہ ان رسمی چیزوں کے محتاج ہیں لیکن ایک تو اس میں دوسروں کے لیے ترغیب کا پہلو ہے دوسرے اس پروپیگنڈہ کی دنیا میں عام لوگ ان کی تصانیف کی طرف متوجہ ہوں گے۔ تیسرے ان کی خدمات اور قربانیوں کا تعارف اہل حق کے نظریات کی اشاعت میں خاموش مبلغ کا کردار ادا کرے گا ہم نے اس سال وسائل کے نہ ہونے کے باوجود دورۂ حدیث میں اوّل، دوم، سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبا کے لیے بالترتیب پانچ ہزار، تین ہزار اور دو ہزار کے انعامات کا اعلان کیا ہے دوسرے درجات کے طلبہ کو انشاء اللہ کتابیں دی جائیں گی۔

(۷) آج کی دنیا میں خیالات کو بنانے اور بگاڑنے میں لٹریچر کا بڑا اہم کردار ہے لیکن روز افزوں مہنگائی کی وجہ سے اسلامی کتابوں کا خریدنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ اگر عام لوگوں کو واجبی قیمت پر اور مستحقین کو بلا معاوضہ اصلاحی لٹریچر مہیا کیا جائے تو ذہن سازی میں مؤثر ثابت ہو سکتا ہے، یہ بات تو آپ کے علم میں ہوگی کہ ضلالت و الحاد پھیلانے والا لٹریچر وسیع پیمانے پر مفت تقسیم کیا جا رہا ہے اس سلسلہ میں عیسائی اور قادیانی پیش پیش ہیں۔ اس مقصد کے لیے ایک مستقل ٹرسٹ کے بارے میں بھی سوچا جا سکتا ہے۔

(۸) کشمیر، افغانستان، برما اور سری لنکا وغیرہ کے وہ مجاہدین جو طاغوتی قوتوں کے خلاف بے سروسامانی کے عالم میں مصروف جہاد ہیں ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جائے، شہدا کے اہل وعیال کی خبر گیری اور مجروحین اور معذورین کے علاج معالجہ کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی جائے۔ یہاں کے مسلمان جن اندوہناک حالات سے دوچار ہیں اس کا ایک سرسری اندازہ اس رپورٹ سے ہو سکتا ہے جو کشمیری مسلمانوں کے حوالے سے اخبارات اور جرائد میں شائع ہوئی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق صرف ۱۹۹۱ء میں کشمیر میں ۲۰۴۳۴ مسلمانوں کو شہید کیا گیا، چار ہزار سے زائد عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔ بیس ہزار مسلمانوں کو پابند سلاسل کیا گیا۔ آٹھ ہزار مکانات جلا کر راکھ کر دیئے گئے۔ بلیک کمانڈوز نے نہ معلوم کتنے معصوم بچوں کے ہاتھ پاؤں توڑ کر انہیں معذور بنا دیا، مختلف ہڈیوں کے ہسپتالوں میں دس ہزار کمسن بچے زیر علاج ہیں، ہندو والٹی کے ایک سکول کو آگ لگا کر دو سو معصوم بچوں کو بھون ڈالا گیا۔ انڈین آرمی کے عقوبت خانوں میں اس وقت بھی سات ہزار مسلمان انسانیت سوز مظالم جھیل رہے ہیں۔

یہ صرف کشمیر کی صورت حال ہے، افغانستان جہاں سولہ لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور بیس لاکھ کو شدید زخمی اور معذور کر دیا گیا۔ سینکڑوں دیہات تباہ کر دیئے گئے۔ وہاں کے بارے میں خود اندازہ لگا لیجئے کہ کتنے بچے یتیم، کتنی سہاگنیں بیوہ اور کتنے والدین بے سہارا ہوں گے۔

تو اے مرغن غذا کھا کر نرم وگداز بستروں پر سونے والے مسلمان بھائیو! کیا ان سسکتے بلکتے بچوں، لٹی ہوئی سہاگنوں اور بے سہارا والدین کی خدمت واعانت ہماری ذمہ داری نہیں ہے؟ جو حالات کشمیر اور افغانستان میں

پیش آتے ہیں، وہ کسی دوسرے خطے میں بھی پیش آسکتے ہیں اس لیے خدمت خلق کے شعبے کو مستقل طور پر اسلامی بنیادوں پر مضبوط کرنا ضروری ہے تاکہ جہاں بھی ایسے حالات پیش آئیں وہاں ریڈکراس وغیرہ سے پہلے ہم پہنچ جائیں۔

نئی نسل کی تعلیم و تربیت ٹی وی پروگراموں، ڈراموں فلموں اور عمومی ماحول کی وجہ سے نئی نسل تباہ ہو رہی ہے جو لوگ اپنی اولاد کی تربیت اسلامی خطوط پر کرنا چاہتے ہیں انہیں بھی بے پناہ مشکلات کا سامنا ہے۔ اگرچہ دینی مدارس کا وجود اس سلسلہ میں غنیمت ہے لیکن جو شخص اپنے بچے کو دین اور دنیا دونوں قسم کی تعلیم دینا چاہتا ہے وہ ان مدارس سے مستفید نہیں ہو سکتا بلکہ بسا اوقات بچے بھی عام سوسائٹی کے زیر اثر یا بعض مدارس پر سختی اور تادیب کی وجہ سے یہاں تعلیم کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ اگر نئی نسل کی تعلیم و تربیت کے لیے درج ذیل صورتیں اختیار کی جائیں تو مثبت نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

(۱) انگلش میڈیم سکولوں جیسی سہولیات پر مشتمل "اسلامک میڈیم" سکول قائم کیے جائیں جہاں دونوں قسم کی تعلیم کا اہتمام ہو لیکن زیادہ توجہ ذہنی تربیت پر دی جائے۔

(۲) جو انگلش میڈیم سکول قائم ہیں ان کے مالکان سے مل کر انہیں اپنے اپنے سکولوں میں موثر انداز میں اسلامی تعلیم و تربیت پر آمادہ کیا جائے۔

(۳) محلہ مسجد میں ناظرہ قرآن کے ساتھ ساتھ چند آسان اسلامی کتابوں کے پڑھانے کا اہتمام کیا جائے۔

اتحاد و یکجہتی مسلمانوں میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنے کے لیے ہر سطح پر کوشش کی جائے۔ اس کے لیے سب سے پہلے ان جماعتوں اور ان افراد کو مشترکہ نکات پر اکٹھا کرنے کی سعی کی جائے۔ جو عقیدہ توحید سے سرشار اور علماء حق کے پیروکار ہیں۔ کس قدر دکھ کی بات ہے کہ بنیادی عقائد میں اتفاق کے باوجود ہم سینکڑوں جماعتوں میں منقسم ہیں اور آپس میں اس قدر عداوتیں ہیں کہ جب ہم باہم برسرپیکار ہوتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا آپس میں نہیں بلکہ کافروں اور مسلمانوں کا ٹکراؤ ہے۔ کتنی مذہبی سیاسی جماعتیں ہیں جو الیکشن کے موقع پر سیکولر عناصر سے اتحاد گوارہ کر لیتی ہیں لیکن اپنے ابناء جنس سے اتحاد کے لیے وہ کسی طور اور کسی صورت آمادہ نہیں ہوتیں۔ اگر چھوٹے موٹے اختلافات کو رفع کرنے کے لیے ثقہ علماء کی ایک با اختیار کونسل تشکیل دی جائے تو نفرت اور افتراق کی آگ ٹھنڈی کرنے میں کافی مدد مل سکتی ہے اس کونسل کو یہ اختیار بھی ہونا چاہیے کہ اگر کسی جماعت کا کوئی لیڈر یا عہدیدار اس کے فیصلوں کو تسلیم نہ کریں تو تمام اہل مسلک سے ان کے بائیکاٹ کی اپیل کی جائے، کیا ہی اچھا ہو ہم اپنے اختلافات برسرعام بیان کر کے اپنی رسوائی کا سامان پیدا کرنے کی بجائے اس کونسل کی طرف رجوع کریں۔ کونسل ان فتنوں کی نشاندہی بھی کرے جن سے ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور ان کے سدباب کے لیے وقتاً فوقتاً ایسے سیمیناروں اور کانفرنسوں کا انعقاد بھی کرے جن میں تمام صحیح العقیدہ مذہبی اور سیاسی جماعتوں

سکے تاکہ دین شرکت کریں۔

جب تک یہ کونسل تشکیل نہیں پاتی ہم اتحاد امت کی جانب پہلا قدم اٹھانے کے لیے اگر اپنے قلم و زبان کا رُخ اہل حق کے بجائے اہل باطل کی جانب پھیر دیں تو دوسرا اور تیسرا قدم اٹھانے میں انشاء اللہ آسانی ہوگی۔

شعبہ درس قرآن دین کا فہم رکھنے والے بزرگوں نے بہت پہلے برصغیر بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کی اصلاح اور فکری تربیت کے لیے درس قرآن کا نسخہ تجویز کیا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ کے والد شیخ عبدالرحیمؒ قرآن پاک کا درس دیتے تھے۔ آپ کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ کے درس قرآن نے تو ہزاروں فاسقوں اور گمراہوں کی زندگیاں بدل کر رکھ دیں۔ حضرت مولانا محمود حسنؒ نے مالٹا جیل سے رہائی کے بعد یہ اعلان کیا تھا کہ میری بقیہ زندگی دو کاموں کے لیے وقف ہوگی امت میں یکجہتی پیدا کرنا اور قرآنی تعلیمات کو عام کرنا اور ان ہی دو چیزوں کے نہ ہونے کو مسلمانوں کی کمزوری اور مغلوبیت کا سبب بتلایا تھا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مولانا حسین علی صاحبؒ کی پوری زندگی درس قرآن کے لیے وقف رہی۔ موجودہ حالات میں درس قرآن کی بے حد ضرورت ہے، بے شمار تعلیم یافتہ مسلمان بے بنیاد قصے کہانیوں سے تنگ آتے ہوتے ہیں اور قرآن پاک کی بیان کردہ ٹھوس حقیقتوں کو سمجھنا چاہتے ہیں لیکن انہیں سمجھانے والے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی پیاس بجھانے کے شوق میں ایسے لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں جو انہیں قرآن کے نام پر انکار حدیث کا راستہ دکھلاتے ہیں۔

اگر فضا بنانے کے لیے ابتدائی مرحلہ میں عم پارہ کی آخری چھوٹی چھوٹی سورتوں کا درس دیا جائے تو میرے ناقص تجربے کے مطابق بہت مفید ہوگا بلکہ ان سورتوں کا ترجمہ اور تفسیر تو ہر نمازی کو ازبر یاد کرا دینا چاہیئے۔ مساجد میں درس کے ساتھ اگر گھروں میں بھی حلقہ ہائے درس قرآن قائم کئے جائیں تو فوائد دوچند ہوں گے۔

شعبہ تعلیم نسواں ہمارے ہاں لڑکوں اور مردوں کے لیے دینی تعلیم و تذکیر کے بے شمار مواقع ہیں لیکن ہم نے خواتین اور بچیوں کو ان تمام مواقع سے محروم کر رکھا ہے۔ ان کے لیے اسلامی مدارس نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جمعہ کے اجتماعات میں ان کی حاضری کی کوئی صورت ہم بنانے کے لیے تیار نہیں۔ اچھے اچھے دیندار گھرانے خواتین کو شادی ہالوں اور پارکوں اور بازاروں میں جانے کی اجازت دیتے ہیں مگر جمعہ کے اجتماعات اور درس و وعظ کی مجالس میں باپردہ شرکت کی اجازت بھی نہیں دیتے حالانکہ مردوں سے زیادہ خواتین کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے کیونکہ ماں بننے کے بعد بچوں کو اچھا انسان بنانا اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دینا یہ عورت ہی کی ذمہ داری ہے وہ ماں جو دینی تعلیم سے جاہل ہے اور جس کے شب و روز گانے سننے، فلمیں دیکھنے، چغلیاں کھانے اور لڑائی جھگڑے میں بسر ہوتے ہیں وہ بچوں کی جس قسم کی تربیت کرے گی وہ کسی سے مخفی نہیں لیکن اگر ماں دینی علوم سے متصف ہوگی تو اس کے اخلاق و کمالات کا اثر یقیناً بچوں پر بھی پڑے گا۔ میرے ناقص خیال میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے

فوری طور پر ان تین تجویزوں پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

(۱) مساجد کے ساتھ ملحق کسی مکان میں خواتین کے لیے باپردہ انتظام کیا جائے جہاں وہ جمعہ کے اصلاحی خطبات سے مستفید ہوں۔

(۲) گھروں میں درس قرآن رکھے جائیں جن میں مدرس کے سامنے تو مرد ہوں مگر قریب کے کسی کمرے میں خواتین بھی ہوں اور یہ درس بدل بدل کر مختلف گھروں میں ہوں اگر مدرس خاتون ہو تو پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔

(۳) محلہ کی سطح پر بچیوں کی معقول دینی تعلیم کے لیے مدارس قائم کئے جائیں جن میں کم از کم ناظرہ قرآن ترجمہ قرآن، تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور کی تعلیم دی جائے اگر معلمات دستیاب ہوں ہر طرح سے محفوظ اور باپردہ انتظام ہو، وسائل بھی مہیا ہوں تو آگے چل کر طالبات کے اقامتی مدارس کے بارے میں بھی پروگرام بنایا جا سکتا ہے۔

شعبہ اصلاح دیہات

پاکستان کی اسی فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہے لیکن دینی مدارس ہیں تو شہروں میں ہسپتالوں کی سہولت ہے تو شہروں میں فلاحی تنظیمیں ہیں تو شہروں میں ۔۔۔۔ حالانکہ بعض دیہات میں علماء کرام، دینی طلباء اور عام لوگ جس قسم کی جفاکشی، غربت اور تکلیف کی زندگی گذار رہے ہیں ہم شاید اس کا تصور بھی نہ کر سکیں۔

بعض مدارس کے طلباء بوسیدہ عمارتوں میں رہتے ہیں اور سادہ پانی میں نمک مرچ گھول کر اس کے ساتھ روٹی کھاتے ہیں، اساتذہ کا مشاہرہ پانچ چھ سو سے زائد نہیں اور بعض جگہ تو یہ بھی نہیں۔ پھر جہالت کی کثرت کی وجہ سے وہاں فضول رسم و رواج شرک و بدعت، اور قتل و قتال کی بہتات ہوتی ہے۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنے وسائل اور کاوشوں کا رُخ دیہات کی طرف بھی پھیریں۔

تعلیم البالغان

کالجوں یونیورسٹیوں اور فیکٹریوں کے نوجوانوں کے دل میں دینی تعلیم کی امنگ ہوتی ہے مگر وہ اپنی معاشی یا تعلیمی مجبوریوں کی وجہ سے پورا وقت نہیں دے سکتے اگر ایسے ساتھیوں کے لیے جزوقتی مدارس کا اہتمام کیا جائے جہاں انہیں دینی تعلیم کا بہت مختصر نصاب پڑھایا جائے تو اس سے انشاء اللہ بہت اچھے نتائج ظاہر ہو سکتے ہیں۔

جو تجاویز اوپر پیش کی گئی ہیں میں اور میرے چند دوست انتہائی محدود سطح پر ان کی روشنی میں مصروف عمل ہیں اگر ہم لسانی اور سیاسی گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر اجتماعی طور پر اس سلسلہ میں کام کریں تو باطل قوتوں کو لگام دی جا سکتی ہے ارتدادی تحریکوں کے آگے بند باندھا جا سکتا ہے، اسلامی نہج پر تربیت دینے والی مائیں تیار کی جا سکتی ہیں، تشتت و افتراق کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی اخوت کو زندہ کیا جا سکتا ہے، مجاہدین کی پشت پناہی کی جا سکتی ہے، ظلم کے خاتمہ اور نظام عدل کے قیام کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے، علماء کے وقار کو بحال کیا جا سکتا ہے، بے کس انسانوں کی دعائیں لی جا سکتی ہیں اللہ کی رضا حاصل کی جا سکتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ دور حاضر کے حوالے سے بحیثیت مسلمان اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے اور یوں مسئولیت عند اللہ سے بچنے کا امکان پیدا کیا جا سکتا ہے۔

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے
سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

وفیات

محدّث العصر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی

محدث العصر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی عرصہ سے موت و حیات کی کشمکش میں گرفتار تھے، راقم 23 فروری کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا مختار احمد ندوی حفظہ اللہ کی دعوت پر کلیتہ فاطمتہ الزہرا کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے مئو گیا تو مولانا الاعظمی کی عیادت کے لئے بھی حاضر ہوا لیکن ڈاکٹروں نے ملنے جلنے پر سخت پابندی لگا رکھی تھی، میری خواہش پر صاحب زادہ محترم مولانا رشید احمد صاحب نے دید و زیارت کا موقع مہیا کر دیا لیکن اس وقت محدث کبیر نہ بات چیت کرتے تھے اور نہ آنکھیں کھولتے تھے، چند روز بعد مولانا رشید احمد صاحب نے خط سے اطلاع دی کہ اب بھی وہی کیفیت ہے بلکہ صحت مزید خراب ہوتی جا رہی ہے، میں پھر عیادت کے لئے جانا چاہتا تھا کہ 11 رمضان المبارک کو حادثہ جانکاہ کی اطلاع آ گئی۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

محدث العصر نے طویل عمر پائی اور مصروف علمی زندگی گزاری، وہ 1319ھ میں پیدا ہوئے، اختر حسن تاریخی نام تھا۔ گھریلو تعلیم کے بعد انہوں نے مئو سے ملحق قصبہ بہادر گنج کے مدرسہ میں داخلہ لیا جہاں مولانا عبدالغفار عراقی کے بھائی مولانا ابوالحسن عراقی سے کسب فیض کرنے کے بعد مظہر العلوم بنارس میں داخلہ لیا، حصول تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند کا سفر دوبار کیا مگر دونوں بار طبیعت خراب ہو جانے کی وجہ سے واپس چلے آئے اور دارالعلوم مئو ہی میں مولانا کریم بخش سنبھلی کی خدمت میں رہ کر دورہ حدیث مکمل کیا۔ فراغت کے بعد یہیں درس و تدریس کی خدمت پر مامور ہو گئے، پھر مئو کے دوسرے بڑے مدرسہ جامعہ مفتاح العلوم سے وابستہ ہوئے اور اس کے صدر مدرس بھی رہے، یہاں سے علیحدہ ہوئے تو خود المعہد العالی مرقاۃ العلوم کی داغ بیل ڈالی جو اب مئو کے بڑے مدرسوں کی صف میں آ گیا ہے۔

مولانا کا اصل مشغلہ درس و تدریس تھا، ان کے بے شمار تلامذہ اس برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں مولانا محمد منظور نعمانی اڈیٹر الفرقان اور مفتی ظفیرالدین صاحب بھی ہیں۔ تاہم تحریر و تصنیف کا کام بھی وہ برابر انجام دیتے رہے اور انہیں اس کا اچھا سلیقہ اور عمدہ ذوق تھا۔ حدیث و اسماء الرجال ان کا خاص فن تھا اور اس پر ان کی نظر بڑی گہری تھی، مخطوطات سے بھی انہیں بڑا شغف تھا، ان کا مہتم بالشان کارنامہ احادیث کی بہت سی ان نادر کتابوں کی اشاعت ہے جو مخطوطہ ہونے کی بنا پر اہل علم کی دسترس سے باہر تھیں۔ مولانا نے ان کو ان کے مختلف نسخوں کی مدد سے مقابلہ، تصحیح و تعلیق اور مفید حواشی کے ساتھ شائع کر کے اصحاب علم و تحقیق پر بڑا احسان کیا، انہوں نے جن کتابوں کو اڈیٹ کیا ہے ان پر عالمانہ مقدمے بھی لکھے ہیں جن میں مصنف کے حالات و کمالات کے علاوہ ان موضوعات

پر پہلے اور بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کا تذکرہ کر کے زیر اشاعت کتاب کی اہمیت و عظمت دکھائی ہے' حواشی و تعلیقات میں مختلف نسخوں کے فرق و اختلاف اور متن میں درج آیتوں اور حدیثوں کی تخریج' رجال و اسناد کی تحقیق' مشکل و غریب الفاظ اور مشکلات حدیث کی تشریح کی گئی ہے' دوسری مشہور و متداول کتابوں کی حدیثوں سے زیر نظر کتابوں کی مطابقت یا اختلاف کو ظاہر کر کے ان کی صحت و خطا کا فیصلہ کیا ہے' شروع میں مخطوطہ کے بعض صفحوں کا عکسی فوٹو اور متعدد فہرستیں دے کر استفادہ و مراجعت کو آسان کر دیا ہے' اس طرح کی جو کتابیں مرتب کی ہیں ان کے نام یہ ہیں:

مسند حمیدی' مصنف ابن ابی شیبہ' مصنف عبدالرزاق' کتاب السنن (حافظ سعید بن منصور) کتاب الزہد و الرقائق (عبدا للہ بن مبارک) مجمع بحارالانوار (ملا محمد بن طاہر پٹنی) الحاوی علی رجال الطحاوی وغیرہ -

آخر الذکر رجال طحاوی پر خود مولانا کی بلند پایہ علمی و تحقیقی تصنیف ہے - اردو میں بھی مولانا کی متعدد تصانیف ہیں جو اکثر رد و مناظرہ میں ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں -

(1) اعیان الحجاج (دو جلدیں) (2) نصرۃ الحدیث (3) الاعلام المرفوعہ (4) رکعات تراویح -

مولانا سلیس' شگفتہ' پرمغز اور حشو و زوائد سے پاک اردو لکھتے تھے جو ماقل و مادل کا نمونہ ہوتی تھی'

مستقل کتابوں کے علاوہ انہوں نے معارف اور برہان میں متعدد محققانہ مضامین بھی لکھے ہیں - ان میں سے اکثر میں کسی مصنف یا مقالہ نگار کی فروگزاشتوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور یہ بڑے بیش قیمت ہیں جن سے علمی و تحقیقی کام کرنے والے بے نیاز نہیں ہو سکتے اس لئے معارف میں چھپنے والے ان کے مضامین کی ایک فہرست دی جاتی ہے -

جواد ساباط (جلد 21 عدد 4) دو متبرک اجازت نامے (جلد 40 عدد 6) تخریج زیلعی (جلد 46 عدد 1) الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ (جلد 66 عدد 2) مبارق الازہار کس کی تصنیف ہے (جلد 73 عدد 1) پورب کی چند برگزیدہ ہستیاں (جلد 74 عدد 4 و 5) قاضی رشید بن زبیر غسانی' اسوانی مصری مصنف الذخائر و التحف (جلد 87 عدد 6) دینور و مشائخ دینور (جلد 96 عدد 4) ابوعبید کی غریب الحدیث (جلد 100 عدد 4) غریب الحدیث (جلد 101 عدد 2) فہرست مخطوطات عربیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور (جلد 123 عدد 4)

مولانا متبحر عالم اور بلند پایہ محدث تھے اور اس حیثیت سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ عرب ملکوں میں بھی وہ بے نظیر تھے' فقہ حنفی پر بھی ان کی وسیع نظر تھی جس کی تائید و حمایت میں پیش پیش رہتے تھے -

لگن اور خاموشی سے علم و مذہب کی خدمت ہی مولانا کا مشن تھا اور اسی سے ان کو طبعا مناسبت

بھی تھی لیکن ان کا رجحان آزادی و اتحاد کی تحریک کی طرف رہا اور وہ کانگریس اور جمعیت علمائے ہند سے عملاً وابستہ بھی تھے' 1952ء میں مئو کے حلقہ سے کانگریس نے انہیں اسمبلی کے لئے اپنا امیدوار بنایا جس میں وہ کامیاب ہوئے اس زمانہ میں اسمبلی کی ممبری باوقار سمجھی جاتی تھی تاہم مولانا جیسے علمی آدمی کو اس سے کوئی مناسبت نہیں تھی اس لئے ان کا زیادہ وقت ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں گزرتا تھا اس سے فائدہ اٹھا کر ندوہ کے ارکان نے انہیں درس حدیث کی خدمت تفویض کر دی جس کو وہ بلا معاوضہ انجام دیتے رہے - مگر دوبارہ انتخاب میں امیدوار ہونا پسند نہیں کیا' مولانا کی طویل علمی و تحقیقی خدمات کے صلہ میں حکومت ہند نے 1984ء میں انہیں صدر جمہوریہ کا ایوارڈ عطا کیا تھا۔

سیاست میں مولانا حسین احمد مدنی کے مسلک سے قریب ہونے کی بنا پر مولانا اسعد مدنی سے بھی ان کو عزیزانہ تعلق تھا' چند برس قبل امارت شرعیہ ہند نے ان کو امیرالہند منتخب کیا تھا' بیعت و اجازت کا تعلق حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے تھا' مولانا محمد احمد پرتا بگڈہی سے بھی ان کے دوستانہ تعلقات تھے اور دونوں بزرگ ایک دوسرے کے فضل و کمال کے معترف تھے' دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے رکن تھے' مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ان کے بڑے عظمت شناس تھے' دارالمصنفین آتے تو مولانا سے ملاقات کے لئے مئو بھی تشریف لے جاتے - شروع ہی میں مولانا اعظمی کا تعلق دارالمصنفین سے بھی تھا جو آخر تک قائم رہا' حضرت سید صاحب ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے اور اپنی بعض تحریروں کو اشاعت سے پہلے ان کے پاس بھیجتے اور ان کے مشورے کے مطابق ان میں ردوبدل فرماتے - مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم بھی ان کا بڑا اکرام کرتے - چند برس قبل ان کو دارالمصنفین کی وقف کمیٹی کی رکنیت میں پیش کی گئی تو انہوں نے اس کو بخوشی منظور کر لیا۔

مولانا اس برصغیر ہی نہیں پوری اسلامی دنیا میں اپنے علمی و دینی کارناموں کی وجہ سے مشہور و مقبول تھے' انہوں نے کئی مسلم ملکوں کا علمی سفر بھی کیا تھا - عرب ممالک کے ممتاز فضلا سے ان کے روابط تھے' شیخ عبدالفتاح غدہ ان کے بڑے مداح تھے' شیخ نذیر حسین مدیر اردو انسائیکلوپیڈیا لاہور بھی ان کے بڑے قدردان تھے' ایک دفعہ وہ دارالمصنفین تشریف لائے تو مولانا سے ملنے مئو بھی گئے۔

اپنے وطن میں مولانا کو جو مقبولیت حاصل تھی اس کا اندازہ ان کے جنازہ سے ہوا جس میں شرکت کے لئے دارالمصنفین سے راقم اپنے رفیق کار مولوی محمد عارف عمری اور مولوی احتشام علی ندوی کے ساتھ گیا تھا' مئو کے ہر گلی کوچہ میں آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے' ہم لوگ بڑی زحمت سے مولانا کی قیام گاہ (پٹھان ٹولہ) پہنچے لیکن دید و زیارت کا شرف حاصل نہ کر سکے - ریلوے کے بڑے اور وسیع میدان میں جنازہ کی نماز کا اہتمام کیا گیا تھا' مولانا ہی کے ایک ہم نام اور اپنے اہل تعلق مولوی حبیب الرحمن ندوی کی معیت میں ریلوے میدان گئے' جہاں اتنے لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی جن کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا البتہ بعض لوگوں کو جب یہ کہتے سنا کہ مئو میں ابھی تک کسی کے جنازہ میں نہ

— بقیہ صفحہ ۹ پر —

رُوح افزا
خاص افادیت کا حامل حقیقی مشروب
■ رُوح افزا نہ تو کوئی نیا نام ہے اور نہ ہی اس کی تاثیر کے بارے میں دعوے نئے ہیں۔ تقریباً ایک صدی سے رُوح افزا کے خریدار جانتے ہیں کہ اس کے خالص قدرتی اجزا انسانی جسم کے لیے خاص افادیت کے حامل ہیں۔
■ رُوح افزا کا فارمولا برسوں کی تحقیق اور تجربات کے بعد پھلوں، پھولوں، سبزیوں اور فرحت بخش خواص رکھنے والی جڑی بوٹیوں سے ترتیب دیا گیا ہے۔
■ رُوح افزا گرمی، لُو اور حبس کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے، پیاس بجھاتا ہے، جسم کو فوری توانائی بخشتا ہے اور آپ کو تازہ دم کر دیتا ہے۔
■ رُوح افزا محض پانی، مٹھاس، رنگ اور خوشبو کا مرکّب نہیں بلکہ ایک حقیقی مشروب ہے جو بازار میں پائے جانے والے دوسرے تمام شربتوں سے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ بہتر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رُوح افزا کی پسندیدگی نسل در نسل منتقل ہو رہی ہے۔
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
ہمدرد دواخانہ (وقف) کراچی
رنگ، خوشبو، ذائقہ، تاثیر
اور معیار میں بے مثال
رُوح افزا
مشروبِ مشرق

قارئین کے خطوط

افکار و تاثرات
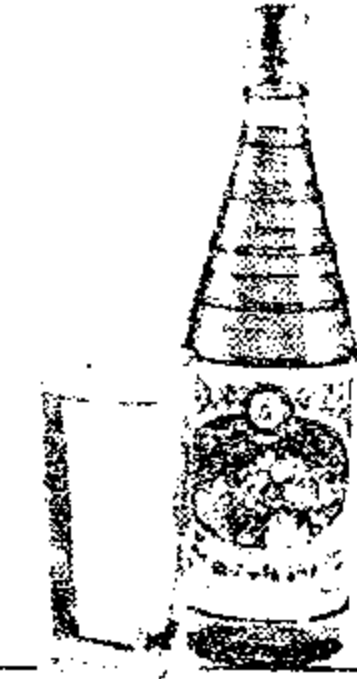
غیر مسلم اقلیتیں اور پاکستان (امت کے متفقہ اور متوارث مسائل)	مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی
لفظ جبین کا مفہوم	پروفیسر حمید اللہ قریشی / مفتی عمر حیات / مولانا عطاء الرحمٰن مولانا محمد عبد المعبود / قاضی عبد الحلیم
لفظ A.D کی توضیح	شہاب عالم صدیقی
لینن کے ساتھ مولانا سندھی کی ملاقات	پروفیسر حمید اللہ قریشی

غیر مسلم اقلیتیں اور پاکستان

جب انگریزوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت پر جابرانہ قبضہ کر کے ملک میں علماء کرام کا قتل عام کیا اور عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت پر خصوصی توجہ اس لیے دی کہ جب برصغیر میں عیسائیوں کی اکثریت ہو جائے گی تو یہ ملک ہمیشہ کے لیے ان کے قبضہ میں رہے گا جیسا کہ ہسپانیہ والا تجربہ سامنے ہے مگر علماء کرام نے بے سروسامانی کی حالت میں بھی ان کا ایسا مقابلہ کیا کہ وہ ناکام ہوتے اور آخر کار ان کو یہاں سے بوریا بستر گول کرنا پڑا۔ حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہ اور ان کے خاندان نے جس طرح قرآن و حدیث کے مفاہیم اور مطالب کو عام کرنے کے لیے ان کے تراجم اور تفاسیر پر توجہ دی اسی طرح عیسائیت کے حملوں سے اسلام کے دفاع پر بھی خصوصی توجہ دی۔ اس خاندان کا ہر عالم جس طرح تفسیر قرآن عزیز کا عالم ہوتا تھا اسی طرح اس کو بائبل پر بھی عبور ہوتا تھا۔ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پادریوں سے مناظرے عام رہے پھر مولانا عبد الحق حقانیؒ اور خصوصاً مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے برصغیر سے باہر بھی عیسائیت سے اسلام کا دفاع کیا۔ پادری فنڈر پارٹی ایسے ممتاز ممتاز پادریوں کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ پانی کی طرح روپیہ بہانے کے باوجود عیسائی حکومت کا منصوبہ بری طرح ناکام رہا۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ توجہ نہ کرتے تو ترکی بھی عیسائیت کی گود میں چلا جاتا۔ قیام پاکستان کے بعد عیسائیت نے اپنی تبلیغ کو تیز کر دیا اور ۱۹۴۷ء ہی سے ایسا منصوبہ بنا کر اس پر عمل شروع کر دیا کہ وہ ملک جو بے نظیر قربانیوں کے بعد اس لیے عطا ہوا تھا کہ اس میں خالص اسلام دین ہی غالب رہے گا اور کفر کسی بھی رنگ میں اس ملک میں اپنی تبلیغ نہ کر سکے گا اپنی دینی اقدار اور مذہبی شعائر سے غافل ہو گیا۔ اس گناہ گار نے ۱۹۴۹ء میں موتمر عالم اسلامی اول کے موقع پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ بنام ایک خطرناک انقلاب شائع کیا تھا جس میں عیسائیت کی تبلیغ کے خطرناک نتائج پیش کیے تھے مگر افسوس ہے کہ پاکستان میں نقلی عیسائیوں (قادیانیوں) کا تعاقب

تو کیا گیا اور کیا جا رہا ہے مگر اصلی عیسائیوں کو کھلی چھٹی دی جا رہی ہے۔ ہمارے وطن کا المیہ یہ ہے کہ کوئی بھی غیر مسلم جب کسی بااختیار عہدہ پر متمکن ہوتا ہے تو وہ اپنے دین کی جڑیں مضبوط کرنے کی فکر ہی نہیں بلکہ محنت کرتا ہے۔ پاکستان کے پہلے غیر مسلم وزیر خارجہ نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو کانٹے بوتے تھے وہ اب تناور ہو چکے ہیں۔ اگرچہ قادیانیوں کو غیر مسلم (کافر) قرار دے دیا گیا ہے مگر وہ اس کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ یہی حال عیسائیت کا ہے۔

جب ایک عیسائی مسٹر جسٹس (ریٹائرڈ) اے آر کارنیلیس کو وزیر قانون بنایا گیا تو اس کے زمانہ وزارت میں چرچ آف پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس وقت کی اخباری اطلاع کے مطابق پاکستان برصغیر کا دوسرا ملک ہوا جس نے پروٹسٹنٹ اتحاد کے لیے اجازت دی ہے۔ اس چرچ آف پاکستان کی افتتاحی تقریب پر صدر پاکستان اے ایم یحییٰ خان نے جو پیغام تہنیت وزیر قانون کی وساطت سے ارسال کیا تھا اس کے چند کلمات درج ذیل ہیں:

"میں یونائیٹڈ چرچ آف پاکستان کے افتتاح پر پاکستان کے عیسائیوں کو مبارک دینے میں خوشی محسوس کرتا ہوں"۔

یحییٰ خان نے اپنے اسی بیان میں قائد اعظم کے کلمات کو دہرایا کہ "آپ کو اپنے مندروں، مسجدوں، عبادت گاہوں میں جانے کی کھلی اجازت ہے آپ کسی بھی مذہب، ذات اور نسل سے تعلق رکھتے ہوں اس سے مملکت کو کوئی غرض نہیں۔ (جنگ راولپنڈی ۲ ر نومبر ۷۲ء)

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک عیسائی وزیر قانون نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ملک میں جو اسلام کے نام پر لیا گیا ہے اپنے دین کے لیے ایک عظیم ادارہ قائم کرا دیا۔ مگر جب مسلمان اقتدار حاصل کرتے ہیں تو وہ اقلیت کو خوش کرنے اور خوش رکھنے کے لیے تو فراخ دلی سے کام لیتے ہیں مگر اس اکثریت کو جس کے ووٹوں سے وہ کرسی اقتدار پر پہنچتے ہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس گناہ گار کے خیال میں کسی اسلامی ملک میں غیر مسلموں کو اپنی نئی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت نہیں اور نہ ہی مسلمانوں میں اپنے دین کی جسے قرآن کریم نے کفر فرمایا ہے، تبلیغ کی اجازت ہے جیسا کہ پنجاب کی ممدوٹ وزارت کے زمانہ میں محکمہ تعمیر ملت کے ڈائریکٹر علامہ محمد اسد نومسلم نے ایک دستور بہ نام اسلامی دستور بنایا تھا جس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہوا۔ وہ پورا دستور انھوں نے اپنی زیر ادارت نکلنے والے "عرفات" میں شائع فرمایا تھا۔ اس کی ایک دفعہ مندرجہ ذیل ہے۔

ہر شہری کو تحریراً اور تقریراً حق پہنچتا ہے کہ جماعتی معاملات میں جس پر چاہے اظہار رائے کرے بشرطیکہ اس اظہار رائے کا مطلب یہ نہ ہو کہ (الف) لوگوں کو اسلامی عقائد سے برگشتہ کیا جائے (ب) شریعت اسلامی کے خلاف اکسایا جائے یا حکومت وقت کے خلاف بغاوت پر اُبھارا جائے یا (ج) اس سے تہذیب و شائستگی کو صدمہ پہنچے لہٰذا ہمیں دستور میں ذیل کی ایک دفعہ رکھنی پڑے گی۔

"غیر مسلم شہریوں کو اس امر کی آزادی ہے کہ اپنے یا مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے
پیروکاروں میں تبلیغ کریں۔ لیکن مسلمانوں میں کسی دوسرے مذہب کی تبلیغ کرنا جرم قابل مواخذہ ہوگا
اور اس کی قانوناً سزا دی جائے گی"۔

اگرچہ مذکورہ بالا دستور میں ایک تجربہ کا نقشہ تھا یا طفل تسلی تھی مگر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مذہب اسلام
کے تحفظ اور اس کی اقدار و ثقافت کی امتیازی شان کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور اس سے زیادہ دین حق کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(قاضی محمد زاہد الحسینی)

امت کے متفقہ اور متوارث مسائل

الحق کا تازہ شمارہ باصرہ نواز اور بصیرت افزا ہوا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء ـــــ اس گناہ گار کے خیال میں:۔

۱۔ امت کے متفقہ اور متوارث مسائل کو نہ چھیڑا جائے وقت کے ضیاع کے علاوہ بعض لوگ اپنے مذموم مقاصد
کے لیے ان کو بہانہ بنا لیتے ہیں۔

۲۔ اسلام نے اقتصادی مسائل میں کمزور کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کو پسند نہیں فرمایا بلکہ کمزور کی اعانت پر خصوصی
زور فرمایا صدقہ کی ترغیب اور سود کی مذمت کی ایک حکمت یہ بھی ہے بیع من یزید میں محتاج کی اعانت کو مدنظر
رکھا گیا ہے۔ الحق اور بعض دوسرے علمی رسائل میں ادھار کی بحث سے کیا فائدہ؟ کیا رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد گرامی راویان حدیث رضی اللہ عنہم کے کلمات میں

"نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع وشرط"

ایک مکمل معیار نہیں؟ عقود میں اگر کا دخل نہیں شاید یہی حکمت ہے کہ استحکام کے لیے فعل ماضی کو استعمال
کیا جاتا ہے۔ علماء کرام دور حاضر کے فتنہ توہین العلماء کے دفاع کے لیے کام کریں جو اب افغانستان کی فتح کے بعد
زیادہ ضروری ہوگیا ہے۔ یکفیک الاشارہ۔

آج کل گھروں میں ایک بہت بڑا فتنہ بے حجابی اور بے حیائی کا نہ پردوں پر ہے اور لوگ اسے فتنہ نہیں بلکہ فیشن
اور معاشرت اور شرافت کا ایک حصہ سمجھتے ہیں حالانکہ اس گناہ گار کے ہاں اس سے تو حرمت مصاہرہ کا مسئلہ پیدا
ہوتا ہے اور نکاح اور ازدواجی امور بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ اگر آپ یا جناب مفتی غلام الرحمن صاحب اس
موضوع پر قلم اٹھائیں تو یہ بہت بڑا احسان ہوگا۔ اکثر شرفاء خاندان اس کی شرعی حیثیت سے بے خبر ہیں حالانکہ اس کا
سمجھنا بہت ضروری ہے۔ واللہ الموفق

(قاضی محمد زاہد الحسینی، اٹک)

جبین کے معنی ماتھا بھی ہیں

○ ماہنامہ الحق بابت ماہ جنوری ۱۹۹۲ء میں " وتلہ للجبین " کی تفسیر کے سلسلے میں جو بحث کی گئی تھی اس کے جواب میں میں نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ دونوں تفسیریں صحیح ہیں اس لیے کہ لغت کے اعتبار سے جبین کے معنی محض ہڈ پٹی نہیں بلکہ ماتھا بھی ہے۔ مئی کے شمارہ میں حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کا معلومات افزا مقالہ نظر سے گزرا جس میں انہوں نے ٹھوس دلائل کے ساتھ مولانا تصدق بخاری صاحب کا دفاع کیا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ محترم قاضی صاحب کے نزدیک جبین کے معنی ماتھا کے نہیں۔ حسن اتفاق سے آج کل میرے زیر مطالعہ ان کے درس قرآن کے وہ مجموعے ہیں جو انہوں نے میرے بڑے بھائی جناب حبیب اللہ صاحب کو جناب محترم ابراہیم لالہ آف عورغشتی کی وساطت سے تحفہ کے طور پر دیئے ہیں جن کو میں محض حصول علم کے لیے نہیں بلکہ حصول برکت کے لیے پڑھتا ہوں ان مجموعوں میں سے دو میں انہوں نے جبین کے معنی ماتھا کے کئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک " المومن یموت بعرق الجبین " کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں " مومن کی جب موت آتی ہے تو اس کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے " اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا کے ہاں بھی جبین کے معنی ہڈ پٹری کے ساتھ ساتھ ماتھا بھی ہیں۔

(پروفیسر حمید اللہ قریشی ، گورنمنٹ کالج صوابی)

○ آپ نے ایک علمی اور تحقیقی معنی کرنے پر اہل علم کی توجہ مبذول کروائی جبکہ اس سے قبل کسی نے اس طرف دھیان نہیں کیا۔ یہ تحقیق آپ کی قابل ستائش ہے۔

(مولانا مفتی عمر حیات ڈیروی)

○ جن مترجم حضرات نے لفظ " جبین " کا معنی ماتھا کیا ہے۔ وہ نا اتفاقی کے عالم میں نہیں۔ بلکہ بعض روایات کی روشنی میں کیا ہے۔

(مولانا عطاء الرحمٰن خانزخیل ڈی آئی خان)

لفظ A.D کی توضیح

○ میں آپ کی توجہ ایک نہایت اہم مسئلے کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جس کا تعلق ہمارے مذہبی عقیدے سے ہے۔

انگریزی کی تقریباً تمام کتابوں میں قبل از مسیحؑ کے لیے B.C اور بعد از مسیحؑ کے لیے A.D استعمال ہوتا ہے۔ A.D سے مراد ہے کہ بعد از وفات مسیحؑ جو کہ ہمارے مذہبی نظریات سے متصادم ہے۔

میں آپ کی ولولہ انگیز قیادت میں شریعت بل پیش کرنے کے بعد یہ امید کرتا ہوں کہ آپ سینٹ میں اس مسئلے کو اٹھا کر مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ فرمائیں گے اور ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ شکریہ

(شہاب عالم صدیقی کراچی)

○ تازہ شمارہ الحق نظر نواز ہوا تو قلبی کیفیت بزبان قلم پیش کرنا ضروری ہوگیا۔ " مشاہیر سرحد " کے عنوان سے حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی زید مجدہ کے قلم فیض رقم سے حضرت مولانا محمد اسماعیل قدس سرہ العزیز کا تذکرہ

پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ موصوف نے ایک انتہائی اہم، ضروری اور بے حد مفید سلسلہ کا آغاز فرمایا ہے۔ کتنی ہی لاتعداد مقتدر شخصیات اور علم و عمل کے پیکر دنیا فانی سے رحلت کر جانے کے باعث قصہ پارینہ بن گئیں۔

؎ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے — مٹے ناميوں کے نشاں کیسے کیسے

مولانا ممدوح نے مرحوم کے احوال و کوائف اور سوانحی خدوخال کو نہایت شگفتہ اور دلچسپ انداز میں قلمبند کیا ہے اگر یہ سلسلہ مستقل طور پر جاری رہے تو یقیناً علمی حلقوں میں بے حد قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا اور یہ امت پر احسان عظیم ہوگا۔ امید واثق ہے کہ بلا انقطاع یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

علاوہ ازیں لفظ "جبین" کی لغوی اور تفسیری تحقیق کے سلسلہ میں جو مضامین شائع ہو چکے ہیں قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔ احقر کی ناقص رائے میں حضرت مولانا ذاکر حسن نعمانی مدظلہم کا معرکۃ الآرا مضمون جو فروری مارچ کے الحق کی زینت بنا اس کے بعد کسی مضمون کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ تاہم یہ سلسلہ تحقیق علمی اعتبار سے گراں قدر نوادرات کا مجموعہ ہے۔ آپ کی اور مضمون نگار حضرات کی یہ کوشش لائق مبارکباد ہے، اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے۔

(مولانا محمد عبدالمعبود، راولپنڈی)

○ تازہ الحق باصرہ نواز ہوا۔ اداریہ وقیع اور افغانستان کے حالات پر جامع مساعی پر شستہ انداز سے حاوی ہے۔ میرے ممدوح خاص داعی کبیر ابوالحسن علی ندوی کا مضمون ترجمہ الحق میں ہوتا ہے اس کو سینہ سے لگاتا ہوں جبین کے مسئلہ پر مدار اللہ صاحب کا مضمون بھی میرے خیال میں حرف آخر ہونا چاہیئے یعنی اس میں تطبیق کی بہترین توجیہات ہیں دعاؤں کا شدید محتاج ہوں اور دعاگو ہوں۔ (حافظ عبدالحلیم حقانی)

لینن کے ساتھ مولانا سندھیؒ کی ملاقات کی وضاحت

حضرت العلامہ مولانا نور محمد صاحب کی علمی وجاہت کا اندازہ ان کی تحقیقی کتاب "جہاد افغانستان" سے کیا جا سکتا ہے۔ ان کی کتاب میں نے اپنی لائبریری میں نمایاں جگہ پر رکھی ہے تاکہ اس پر نظر پڑتی رہے اور جہاد کا جذبہ تازہ ہوتا جائے۔ آج سوقر ماہنامہ الحق میں مضامین کی فہرست دیکھ لی تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مصنف جہاد افغانستان کا مضمون بعنوان "تحریک شاہ ولی اللہ کا ہدف فک کل نظام" بھی شامل اشاعت ہے، مضمون پڑھ کر بہت کچھ سیکھا۔ البتہ ایک بات ایسی ہے جس کی تصحیح کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ مولانا موصوف نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے بارے میں وہی بات لکھی ہے جو عام طور پر اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہے اور زبان زد خاص و عام ہے، وہ یہ کہ انہوں نے ماسکو میں لینن سے ملاقات کی تھی حالانکہ یہ درست نہیں ہے، مولانا سندھیؒ خود رقمطراز ہیں۔

"یہ غلط ہے کہ میں لینن سے ملا، کامریڈ لینن اس وقت ایسا بیمار تھا کہ اپنے قریبی دوستوں کو نہ پہچان سکتا تھا"[1]

(حمید اللہ قریشی)

---

[1] "کابل میں سات سال" سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۳۵۲ھ ص ۱۵۵

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

مولانا محمد اقبال رنگونی، مانچسٹر

اقوام متحدہ کے ڈویلپمنٹ پروگرام کے سربراہ ولیم ڈریپر نے کہا کہ رواں صدی کے آخر تک دنیا بھر میں ایڈز کے مرض سے دو کروڑ افراد ہلاک ہو جائیں گے انہوں نے کہا کہ یہ مہلک مرض مغربی ممالک کے ساتھ ساتھ ایشیائی ممالک کو بھی اپنی گرفت میں لے سکتا ہے انہوں نے ایشیائی ممالک میں تھائی لینڈ، ملائشیا اور فلپائن کا نام لیا ہے۔

(جنگ لندن)

اقوام متحدہ کے مذکورہ بالا نمائندے کی اس تصریح سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی ممالک میں ایڈز کے مریض کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اور یہ مہلک مرض انتہائی تیزی کے ساتھ اپنے اثرات پھیلا رہا ہے۔ ایشیائی ممالک میں ان چند ممالک کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی اس کے اثرات ہیں لیکن مغربی ممالک کی بہ نسبت بہت ہی کم ہیں۔ جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں ایک رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستمبر ۱۹۹۱ء تک ایڈز کے ۴۹۱۶ واقعات رجسٹرڈ ہوتے ہیں جن میں سے ۶ فیصد سیاہ فام اور ایک فیصد ایشیائی تھے۔

(جنگ لندن، اپریل)

جدید دنیا میں ایڈز کے مرض کو انتہائی مہلک مرض شمار کیا جا رہا ہے جس نے دنیا بھر کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور دانشوروں کو پریشان کر رکھا ہے۔ اور عالمی سطح پر ایڈز جیسی بیماری کا مقابلہ کرنے کے لیے منظم کوششیں جاری ہیں تاکہ اس بیماری پر قابو پا لیا جائے۔ تاحال اس میں پوری کامیابی نہ ہو سکی بلکہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کا مصداق بن چکا ہے۔ ایک طرف دنیا بھر کے دانشور سر جوڑ کر بیٹھے ہیں کہ ایڈز کا علاج معلوم ہو جائے تو دوسری جانب اس مرض کو وجود دینے والے افعال کی بھی بھرپور حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ ہزاروں پونڈ کی مالی امداد دی جا رہی ہے اور اس مرض کو وجود دینے والے جیسے قماش لوگوں کے مطالبات تسلیم کرتے ہوئے انہیں سرکاری تحفظ دیا جا رہا ہے۔

اس وقت عالمی سطح پر یہ حقیقت مسلم ہو چکی ہے کہ ایڈز نامی بیماری کے پیدا ہونے میں جہاں اور اسباب کو دخل ہے ان میں سب سے بڑا اور اہم سبب لواطت پرستی، ہم جنسی اور غیر فطری عمل ہے اور ایڈز کے زیادہ تر مریض

اس بدترین افعال کے مرتکب پائے گئے ہیں۔ ہسپتالوں کے اشتہارات اور ٹیلی ویژن میں بار بار خبردار کیا جاتا ہے کہ غیر فطری عمل سے اجتناب کیا جائے لیکن انتہائی افسوس کی بات تو یہ ہے دوسری جانب اس بیماری کو وسیع کرنے کے پروگرام بھی موجود ہیں۔

مغربی دنیا میں ان افعال خبیثہ کو عیب نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے آزادی کے نام پر نہ صرف گوارا کیا جاتا ہے بلکہ سالانہ گرانٹ دے کر ان کے پروگراموں میں وسعت پیدا کی جاتی ہے ان کے لیے الگ مراکز بنائے جاتے ہیں۔ اور حکومتی سطح پر انہیں ہر قسم کا تعاون بھی حاصل ہوتا ہے۔

چند ماہ قبل برطانوی رکن پارلیمنٹ جو یہودی ہے اور لیبر پارٹی کا اہم رکن بھی، غیر فطری عمل میں مرتکب پایا گیا۔ اخبارات اور عالمی خبروں میں اس کے چرچے رہے۔ لیکن کسی بھی رکن پارلیمنٹ یا مذہبی رہنماؤں نے نہ اس کے خلاف آواز اٹھائی اور نہ ہی اس سے استعفیٰ کا مطالبہ کیا۔ حد تو یہ ہے کہ برطانوی ٹی وی کے چینل ۴ میں ایک پروگرام کے دوران وہ خود بھی موجود تھا اور اس کے ہمراہ یہودیوں اور عیسائیوں کے بڑے مذہبی رہنما بھی مدعو تھے اور ساتھ ہی ساتھ برطانیہ کی تین سیاسی پارٹیوں کے اہم رہنما بھی۔ پروگرام دو گھنٹے تک چلتا رہا اخلاقیات کا موضوع بھی زیر بحث آیا لیکن کسی بھی رہنما نے اس یہودی رکن پارلیمنٹ کی اس گھناؤنی اور غیر فطری حرکت کی مذمت نہ کی، بلکہ اسے اس کا ذاتی فعل قرار دیکر آزادی کی نذر کر دیا گیا۔

اور اب انتخابات کے دوران لیبر پارٹی نے اس امر کا وعدہ بھی کیا ہے کہ ہم جنس پرستی کے لیے ۲۱ سال کی عمر کی قید ختم کر کے ۱۶ سال کر دی جائے گی کہ برطانوی نوجوان سولہ سال کی سرحد میں قدم رکھتے ہی قانونی طور پر ہم جنسی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ برطانیہ میں کئی ایسی کونسلیں ہیں جنہوں نے ہم جنس پرستوں کے لیے الگ مراکز کے مطالبات کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ مانچسٹر ایوننگ نیوز ۹ دسمبر ۹۰ء کی ایک خبر ملاحظہ فرمایئے۔

> "مانچسٹر شہر کی کونسل نے ۳ لاکھ پونڈ کی مالیت سے ایک ایسی عمارت بنانے کا فیصلہ کیا ہے جو ہم جنس پرستوں کے لیے مخصوص ہوگی کونسل کی ایک ہم جنس پرست مس ایڈورڈ کا کہنا ہے کہ مانچسٹر میں ہم جنس پرستوں کی تعداد بہت ہے۔

اب آپ ہی غور فرمائیں کہ جس شہر کی کونسل ہم جنس پرستوں کی نہ صرف تائید کرے بلکہ اسے بھرپور مالی امداد بھی دے اس شہر اور اس ملک میں ایڈز کے مریض کی تعداد میں اضافہ نہ ہو تو اور کیا ہو۔ بلکہ یورپ میں باقاعدہ ہم جنس پرستوں کو سرکاری تحفظ دیا گیا ہے اور ان کی شادیاں بھی ہوتی ہیں۔ اور حکومت ان شادیوں کو باقاعدہ تسلیم بھی کرتی ہے۔ برطانوی اخبار شام ۱۵ راکتوبر ۸۹ء میں شائع ہونے والی اس خبر کو ملاحظہ فرمایئے۔

> "ڈنمارک کی حکومت نے لواطت پرستوں کی شادی کو سرکاری تحفظ دینے کا اعلان کر دیا ہے جو

یکم اکتوبر ۸۹ء سے شروع ہوچکا ہے اس تحفظ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو مردوں نے آپس میں شادی کی۔ اور یہ شادی رجسٹرار کے دفتر میں ہوئی جہاں انہیں شادی کے سرٹیفکیٹ بھی جاری کئے گئے اور مزید دس جوڑوں نے بھی بڑے زور شور سے یہ شادی کی۔ انھوں نے خیال ظاہر کیا کہ آئندہ اس قسم کی شادیاں چرچ میں بھی ہوا کریں گی اور امید ظاہر کی ہے کہ چرچ ایسی شادیوں کو باقاعدہ تسلیم بھی کرے گا۔ اخبار کی رپورٹ کے مطابق یورپی ممالک کے تمام ہم جنس پرستوں نے اس قانون پر بے پناہ مسرت کا اظہار کیا ہے اور انھوں نے مطالبہ کیا ہے کہ دوسرے ممالک بھی اس قانون کو تسلیم کریں۔

یورپی ممالک کا یہ طرز عمل، مفکروں اور دانشوروں کے ساتھ ساتھ ارکان پارلیمنٹ کے غیر فطری عمل کو سرکاری تحفظ دینے کا مطالبہ اور اس پر اصرار ان کی بیمار ذہنیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ جس نے عفت و عصمت، شرم و حیا، شرافت و نجابت کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے اور یہی وہ بیمار ذہنیت ہے جو شیطان رشدی اور اس قسم کے دوسرے قماش لوگوں کی حمایت میں پیش پیش رہتی ہے۔

اس سے زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ سکولوں کالجوں میں ایڈز کے خلاف اعلان جنگ کے نام سے جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے وہ بھی دراصل ایڈز جیسی خطرناک بیماری کو وسعت دینے لگا ہے۔ سکولوں میں عریاں فلمیں دکھانا جنسیات کے طور وطریقے سے واقف کرانا۔ اور نوجوان بچوں اور بچیوں کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی حرکات کو عملی شکل میں لانا ایڈز کو ختم کرنے میں مددگار بنے گا یا فحش افعال و بے حیائی کے مناظر کو مزید ابھارے گا۔

ہمارے نزدیک مغربی معاشرہ طہارت و شرافت کے معانی و مفاہیم سے بالکلیہ خالی ہوچکا ہے۔ ان میں حیوانی طریقے اپنانے کی لت پڑ چکی ہے اور جانوروں سے بدتر زندگی گذارنا ان کا مشغلہ بن چکا ہے جب صورت حال یہ ہو جاتے تو پھر بالآخر فطرت کی خلاف ورزی پر وہ سزا دی جاتی ہے جس سے بچنا دشوار ہو جاتا ہے اور عذاب الٰہی کچھ اس انداز میں گرفت میں لے لیتی ہے کہ جس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ ایڈز ہے جس نے مغربی ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور بے حیا قماش اپنے پنجے گاڑ چکا ہے۔ اور جن جن ممالک نے مغربی طرز و انداز کو اپنانے کی کوشش کی۔ وہاں بھی یہ حال ہے۔ اس لیے یہ بات ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ خدائی احکام سے بغاوت کا انجام اس دنیا میں بھی عبرتناک ہی ہوگا اور آخرت کا عذاب وہ تو بس تیار ہی ہے۔ ان جهنم کانت مرصادا للطاغين مآبا۔ وما علينا الا البلاغ۔

مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف و تبصرۂ کتب

درس قرآن (مکمل گیارہ جلد) | تالیف : حضرت مولانا الحاج محمد احمد صاحب مدظلہٗ ــــــ قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ : ادارہ اشاعت القرآن اے ۴۴۲ بلاک ایچ شمالی ناظم آباد کراچی ۳۳

قرآن حکیم کی تعلیمات تمام مسائل کا حل اور مشکلات کی شاہ کلید ہے شیخ الہند مولانا محمود الحسن مالٹا کی جیل میں پانچ سال کے مسلسل فکر و تدبر کے بعد امت کے زوال و انحطاط کے جن دو اسباب کی نشاندہی کی تھی ان میں قرآنی تعلیمات سے جہالت کو تمام رسوائیوں کا پیش خیمہ قرار دیا تھا ــــــ پھر عملی طور پر خود قرآن حکیم کا آسان ترجمہ و تفسیر کا سلسلہ شروع فرمایا۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے جلیل القدر تلامذہ، حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ اور اسی مکتب فکر کے روحانی فرزند حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی ہدایات کے مطابق جگہ جگہ درس قرآن و دورۂ تفسیر کے سلسلے شروع کئے۔ دورۂ تفسیر و تراجم قرآن کا یہ مقدس جال پورے ملک میں پھیل چکا ہے۔ قرآن حکیم کی اردو تفاسیر کا سلسلہ چلا تو اس میں شیخ الہندؒ کے ترجمہ و تفسیر قرآن نے سب کو بنیاد فراہم کی اور بحمد للہ اب علمی اور فنی اعتبار سے اردو زبان تفاسیر کے عظیم ذخیرہ سے مالا مال ہے ــــــ مگر ضرورت تھی اس بات کی کہ مشکل علمی مباحث، فنی مسائل، دقیق نکات سے ہٹ کر خالص رشد و ہدایت اور وعظ و ارشاد کے پہلو کو سامنے رکھ کر قرآن حکیم کے ترجمہ و تفسیر کو حضرت شیخ الہندؒ کے مشن کی تکمیل میں اس قدر آسان کر دیا جائے کہ عام لکھے پڑھے اردو خواں حضرات بھی جب استفادہ کرنا چاہیں تو وہ روزانہ ایک سبق کے طور پر قرآنی ہدایات با آسانی پڑھ سکیں۔

حضرت مولانا الحاج محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کا گیارہ جلدوں میں درس قرآن اس سلسلہ کی عظیم پیش رفت ہے جو اپنے طرز تحریر، آسان اسلوب، رشد و ہدایت اور عام فہمی میں اپنے انداز کی پہلی تفسیر ہے جس کا روزانہ ایک تفسیری درس پندرہ بیس منٹ میں با آسانی مساجد کے حلقوں، تبلیغی سوسائٹیوں تعلیمی نشستوں اور اپنے گھروں میں پڑھا

اور سنایا جا سکتا ہے درس قرآن بارگاہ حمدیت میں قبول بھی ہے جبھی قلیل مدت میں مؤلف کے حین حیات ہیں حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ کے بہشتی زیور اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے فضائل اعمال کی طرح ہزاروں کی تعداد میں بار بار چھپنے اور تقسیم ہو جانے کی نوبت حاصل ہو رہی ہے ہماری خالص دینی تبلیغی اور اصلاح انقلاب امت کے نقطۂ نظر سے یہ قطعی رائے اور احباب کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ اس درس قرآن سے استفادہ اور اس کا ہر گھر میں موجود ہونا ضروری ہے۔

کتابت طباعت کاغذ اور جلد بندی ہر لحاظ سے معیاری اور شایان شان ہے۔

داعی اسلام

از صادق علی صادق ——— صفحات ۱۶۰ ——— قیمت ۳۰ روپے
ناشر الرحیم اکیڈمی اے ۱/۷ اعظم نگر پوسٹ آفس لیاقت آباد کراچی

حجاز کی سرزمین سے طلوع ہونے والے آفتاب ہدایت کی روشنی سے پوری دنیا منور ہوئی مہتاب نبوت کے نکلنے سے عالم انسانیت میں مقررین و محررین اور خطباء و شعراء کے لیے تقریر و تحریر اور نظم و نثر کے مختلف قسم کے دروازے کھل گئے۔ کسی نے منظوم سیرت لکھی اور کسی نے منثور، کسی نے منقوط سیرت لکھی اور کسی نے غیر منقوط۔ لاتعداد طبقات کے فکر و قلم نے آفتاب نبوت کی سیرت پر قلم اٹھایا ہے۔ لیکن صادق علی صاحب نے جو قلم سیرت نبوی پر چلایا ہے درحقیقت یہ دریائے سیرت میں دریکتا کی حیثیت رکھتا ہے۔ موصوف نے داعی اسلام کے نام سے اردو زبان میں ایک معریٰ (غیر منقوط) منظوم کتاب لکھی ہے جو مصنف کے عشق رسول ؐ کا واضح ثبوت اور شایان رسالت کے لیے ایک معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے اردو میں معریٰ الفاظ کی کمی کے باوجود بھی شعر کی سادگی اور سلاست میں کہیں فرق نہیں آیا اردو کے علاوہ عربی و فارسی الفاظ بھی ایسی چابک دستی سے استعمال کیے ہیں جو نظم کے انداز سے اس طرح مناسب ہے۔ گویا کہ واقعۃً اردو الفاظ ہیں بہرحال ایک گرانقدر فنی کاوش ہے الرحیم اکیڈمی اور اس کے نیجر جناب عبدالرحمن غضنفر ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں جنہوں نے یہ گرانقدر سوغات افراد امت کے حوالے کی۔

پردۂ شرعی کی چہل حدیث

از مولانا نور احمد صاحب ——— صفحات ۶۴
ناشر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، گارڈن کراچی

اسلام کو عفت و حیاء اتنی پسندیدہ ہے کہ حدیث شریف میں اس کو نصف ایمان کہا گیا ہے بے حجابی و عریانی اور بے حیائی کے تباہ کن نتائج عالم کو برباد کرتے ہیں دنیا میں جس قدر فتنہ اور فساد بڑھ رہا ہے ان میں ۷۵ فیصد بے حیائی اور بے پردگی کے نتائج و ثمرات ہیں۔ اس وجہ سے اسلام نے عورت سے مخاطب ہو کر کہا تم گھر میں رہو بلا ضرورت گھر سے نہ نکلو اگر نکلنے کی ضرورت پڑے تو پردہ ہی میں نکلو اور نظروں کو نیچے رکھو۔

اسی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا مرحوم نے "پردہ شرعی کی چہل حدیث" کے نام سے کتاب لکھی۔ کتاب مختصر جامع اور مستند کتب کے حوالوں سے مزین ہے۔ مردوں سمیت خواتین کے لیے زیادہ مفید اور کارآمد ہے۔